

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय

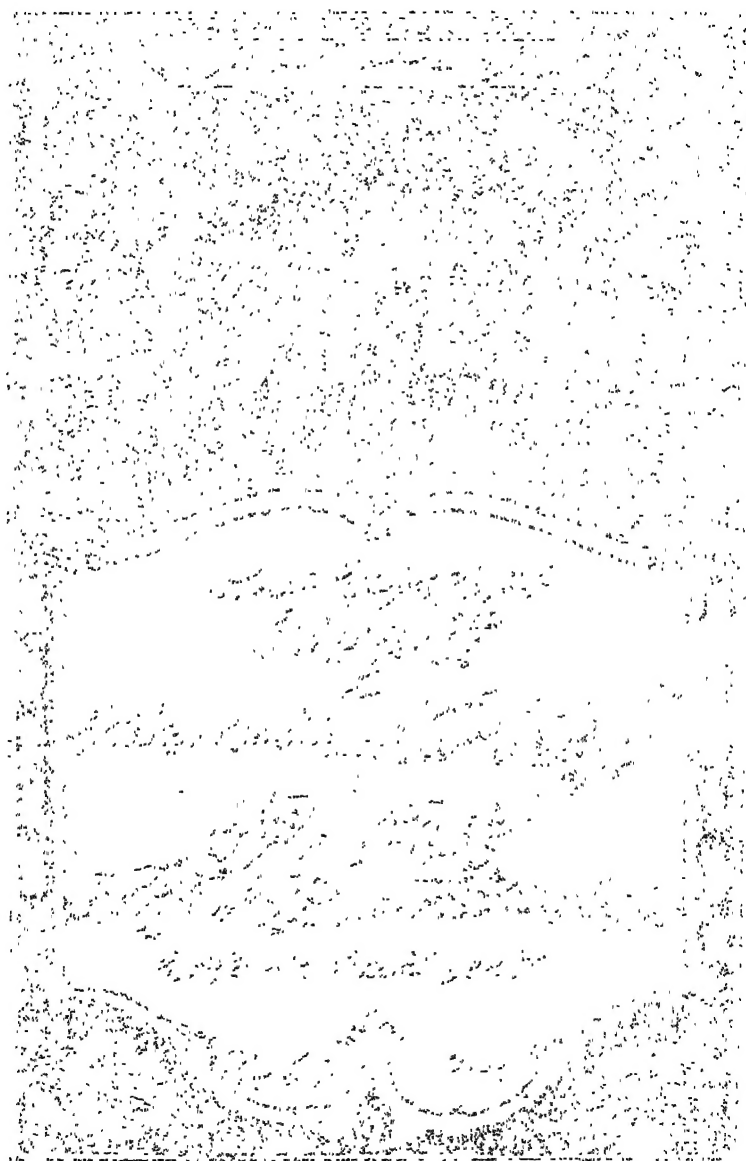
पुस्तक

वर्ग संख्या.....

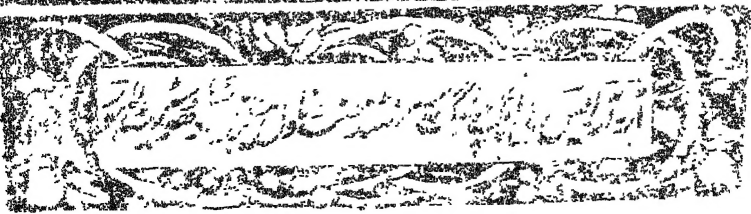
पुस्तक संख्या.....

क्रम संख्या.....

Date of Receipt



- ۱۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۲۔ دو سو سو روپے کا خرچہ کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۳۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۴۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۵۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۶۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۷۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۸۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۹۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۱۰۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۱۱۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔
- ۱۲۔ پٹنہ نال تہی جیو لہجہ میں لکھنا شروع کیا اور مہینے میں دو سو سو روپے کا خرچہ کیا۔



خدیہ سالانہ

فہرست

۴۸

از دو زبان میں سرمد کے ایک حکمران کے بے وضاحتی کے ایک کتب خانہ کے
خزائن پر مشتمل تھو ناول میلکین سرخ و ناو فستان نے ہماری متواتر درخواست اس نئی اور بڑی
کی ابتدا کی ہے۔ یوں، لوگ ناول لکھنے کو تو لکھتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت صفحہ سیاہ کرتے ہیں اور اپنا عزیز وقت بیکان
کرتے ہیں نہیں خوبیاں تو درکنار اور ناقص اس کثرت کیسے اچھے دوستوں میں سے کسی پر پڑھنے والے کی طبیعت مکمل ہو
جاتی ہے۔ بلاشبہ بیگانوں نے اس فن میں کمال دکھایا ہے۔ اسی نواسے میں جو ایک نیا اور بہتر نسخہ
پیش کرتا ہے اور جو لطف مسلسل شروع کیا ہے۔ قصہ لکھنا آسان ہے۔ ناول بھی مشکل نہیں۔ مگر جمیع خوبیوں کا
فستان لکھنا کاروا

ہماری اس سلسلہ میں کی تمام خوبیاں کے لئے ایک نیا اور بہتر نسخہ پیش کیا گیا ہے۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
ناول کے ایک اور نسخہ پر مشتمل ہے جو اس کے لئے ایک نیا اور بہتر نسخہ پیش کیا گیا ہے۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
ہوئے مگر نہایت دلچسپ بہت فتنش پلاٹ میں اتنے خوبی ہیں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
کو کہہ کر فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
کی سبب سے ان کے لئے فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
چین نہ آئیگا۔ غرض اس کے صفحات میں ناول نویسی اور انشا پر ایک اور کمال کا جلوہ دکھائی دے گا۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
کیساتھ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر نسخہ نہ ہو گا۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
دیگر زبان میں بھی لکھا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی سال میں پانچویں کتاب لکھی گئی ہے۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
اس سلسلہ کے لئے فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے

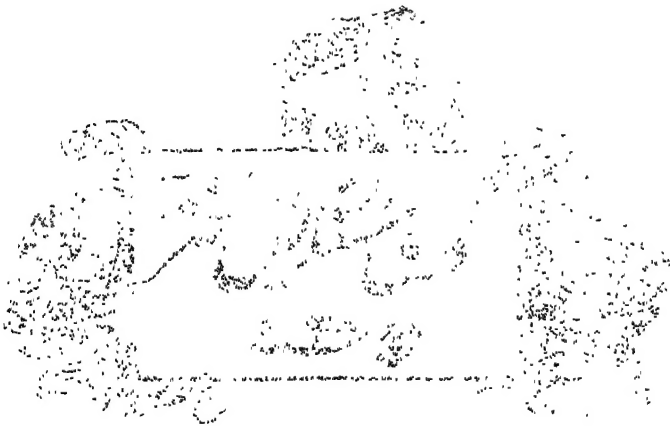
سکھتے دلچسپ حیرت آمیز اور رقت آمیز فستان کی تمام خوبیاں کے لئے ایک نیا اور بہتر نسخہ پیش کیا گیا ہے۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
میں ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
شام کو اچھا اور دلچسپ ہے۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
نقص کے نام سے کہتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے
یہ سلسلہ چند دنوں کے لئے فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے

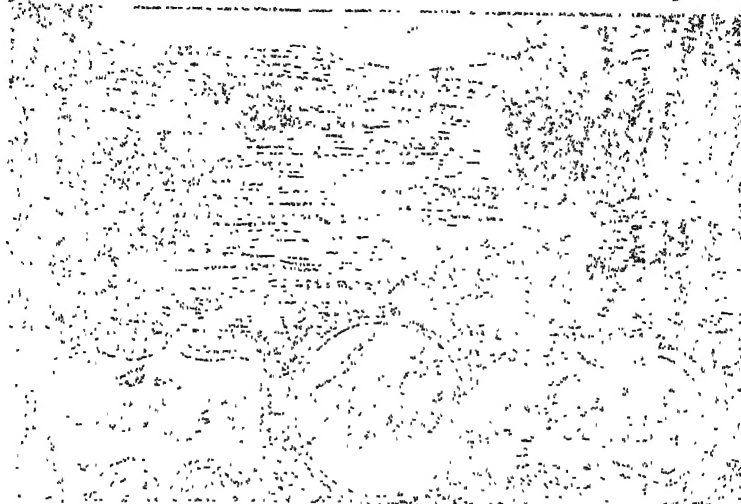
آپ کے لئے ایک نیا اور بہتر نسخہ پیش کیا گیا ہے۔ گو یہ سلسلہ ناول میں گزرتی
یہ سلسلہ چند دنوں کے لئے فرماتے ہیں۔ ناول کے کمال کا جلوہ فستان میں نظر آئیگا۔ رقت کی وہ تصویریں جو ہمیں ہر بار بار پڑھنے

پیشکش کرنے کا خواہاں کر رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ ملوانہ محبت کی نظر سے اس بچے کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔ اور مجھے بھی اپنی طرف سے سحر کر آ شیر باد دیں گی۔

آج تک میرا چاہا وہ نذر کسی نے منظور کر کے کیا ہے؟ میں نہیں لکھا ہے۔ اس سے پہلے جو چیزیں مجھ کی بہت سی تھیں وہ چاہتے تھے۔ اُمید ہے جس طرح میں اسے لکھ کر خوش ہوں گا، شیرینی ترقی و بہار ہو گی۔ بچہ کہ اسے خوش ہوں گی۔ امداد ملے گی۔ یہ کہ وہ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے۔

اپنی دُعاؤں میں وہ ازجملہ جہاں آمین باد





گاؤں سے پاس ہی ایک صاف و شفاف پانی کی نہر بہتی تھی۔ موسم بہار کے
 پہلے یہ نہر کھل جاتی تھی۔ تاہم اس میں بڑی تیزی تھی۔ ندی کے کنارے پر
 باؤں کے باغ تھے جس میں پھل پھولنے لگے تھے۔ تاروں کے بغیر کے بلند
 و بالا درخت اپنا سر پورا کر چکے تھے۔ چپ کھڑے تھے۔ مال کبھی کبھی سرائے کے چھگڑوں
 سے سر ہلاتے تھے۔ چھگڑوں کا مندر درختوں کی آڑ میں کیا رنگ چھپ گیا تھا۔ اس کے
 کنارے پر ایک پتیل آؤ آؤ کر مٹھ رہا تھا اور سنہری شاخوں کی ضیاء سے اس نورانیت
 سے روشن تھا جو عموماً دوشیزہ عورتوں کے معصوم چہرے پر جلوہ نما ہوتی ہے۔
 تالاب کی پچھلے سر پہلو پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کی ہاتھوں میں پتیل کا گھڑا
 اور ایک دھواں والا گڑھا تھا۔ گڑھا سے اُتر کر وہ چاروں طرف بیتابانہ نگاہوں
 سے دیکھنے لگی۔ گویا کہ اس میں اس کی آنکھیں اٹکی تھیں۔

فادیر تک شغورہ کر لیا کہانی میں داخل ہوئی۔ وہ کھڑکی پر کھڑکی پر کھڑکی پر کھڑکی پر
 دوسری لڑکی نے طنز آمیز انداز میں کہا کہ اس کی آنکھیں اٹکی تھیں۔

کلمات چھلکار توں بہت سوچا۔ سوچا یہ کہ برس چھوٹی ہوگی،
 وہ سکھی ایسی باتیں نہ کہوں۔ وہ میری نسبت بہت کچھ برداشت کرتی ہے۔
 شرارتوں کی نظر انداز کرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ کہے کہ اس نے مجھے چاچی کی
 بک بھلک کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا حکم مانتی ہے۔ اس کا ایک جھٹک ہی مجھ سے نہیں
 سکتا۔ غریب کی لڑائی ہے۔ اس وجہ سے اس کے گھٹوں پر تم لوگوں کی نظر نہیں پڑتی۔ ورنہ
 ایسی بڑی مٹی شکل ہے۔

کھانا کچھ چڑھ گیا۔ میری برستی کے ساتھ جو اسے محبت تھی، عجیب و غریب تھی۔ اس
 میں کچھ شک نہیں کہ وہ سستی کا دل دکھانے کی غرض سے کوئی بات نہیں کہتی۔
 سستی کو سمجھ کر۔ یہاں تک کہ وہ کھری سناوتی ہوئی برستی معقول پسند کرتی۔ اور اسی طرح
 یہ وہاں تک کہ وہ سستی کو سمجھ کر۔ یہاں تک کہ وہ کھری سناوتی ہوئی برستی معقول پسند کرتی۔
 میں نے غریب سے یہ سمجھا کہ ایسا کہا۔ لیکن تم بھی اُسے تو جواب دینے میں کم نہیں ہو
 اس کے منہ کی طرف دیکھتی ہوئی سستی شکرا کر بولی اور تم بھی دو چار کیوں نہیں سناوتیں؟
 میں تم سے پیش نہیں پاسکتی۔ خیر ایہ جاناؤ۔ ہوا سے گھر کب آؤ گی؟
 ”گھر نہ آؤ گی۔“

وہ نہیں ہو گا۔ تم سے بہت سی صلاحیں کہی ہیں۔ بغیر میرا یہ کہہ کر کہ وہ چلا گیا۔
 جلد سے یہاں تک
 ”چھٹا آؤ گی۔“

کہہ کر تارا کو اس کے مشہور و معروف زہر زار کے گھر کے ادا کی تھوڑی دیر محنت سے ہر دوش
 ہوئی تھوڑی دیر محنت سے ہر دوش
 محنت سے ہر دوش
 محنت سے ہر دوش
 محنت سے ہر دوش

نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہاں سے ایسی کائے!

ماہر ساندانہ اسے سانسوری سے کہا: بیجاری کیا ہے کبھی؟ آ رہے کہ دو دھڑی دی گئی؟
میلانی جی نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور سوئے گئے کی پیٹھ پر زور سے کہنے لگی
وہ بیجاری جو آ رہی تھی وہ کبھی نہ آئے گی۔ کبھی نہ آئے گی۔ بیجاری بیٹا جی چپ ہو گئی۔ سامنے اور کسی کو
نہ دیکھ کر بیٹا جی نے اپنا چوڑا دیکھ کر کہنے لگیں۔ اچھا گے گھر کی اچھا لکھ بیٹا جی صبح صبح رام
کا نام نہیں پڑتا۔ یہ سچ ہے۔ کیا کیا جو زبان پر آیا۔ اسی جھوٹے نام میں بک گئیں۔ اس شور
وغل سے سستی کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ باہر کر کہنے لگی۔ اُف! اتنا دن چڑھ گیا۔ یہ بات جیٹھانی بی
کے کانوں میں پہنچ کر پورے گھٹیں ساؤڑی ایک چراغ تو لا۔ بیجاری لڑکی کو اندھیرے میں دکھائی
نہیں دیتا۔ سستی چپ ہو گئی اور برتن صاف کرنے لگی۔

بھٹا چارہ جی جوں ہی ہوا دھوکا کھائے۔ توں ہی سولہ برس کا لڑکا ہری مشنگرا کر بولا۔
اور کسی بات میں تو عقل کام نہیں کرتی۔ مگر ایک دن سکول نہ جاؤ تو سرھا چلتے ہو۔ دس لوگوں
کے سامنے ننگے پاؤں کیسے جاؤں۔ مجھے آج ہی جوتے خریدو!

جوتے خریدو۔ جس نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر لجاجت آمیز لہجہ میں کہا بیٹا! آج سب پہنے
دو۔ ابھی پورے چھ ماہ پہلے اس کے بعد.....

اس کے بعد کیا؟ اس طرح کہ ایک چلیکا۔ مجھے آج ہی جوتا چاہئے!

بھٹا چارہ جی گرج کر بولے۔ غریب لڑکے کی اتنی زاری!۔ کیا پاؤں میں جوتا نہیں
پہنے؟ کہہ سکتے تھے۔ جوتے کی جیسی حالت تھی۔ اچھے دیسا ہی رہنا چاہئے۔ میں کیا تم لوگوں
کے لئے چوری کر دوں۔

موقع دیکھ کر جیٹھانی جی جھجھک کر بولے کہ: یہ سب لڑکا کیا جانے؟ اگر نہیں جیتے تو لڑکے
کے سب کچھ ہونے لڑکا کیا ہوا۔ سب کے سامنے سر جھکا کر رہتا ہے۔ ہتھیں شرم نہیں لگتیں
موتی دین برس کا کالی مشنگراں کا آنچل پیرا کر بولا۔ لڑکا نہ کہہ سکتا تھا کہ اگر سب
دیکھ لیں تو یہ لڑکا اتنا زبردست ہے کہ ہر گز باہر جانے لگے۔ لڑکا نہ کہہ سکتا تھا کہ یہاں سے
نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہاں سے ایسی کائے!۔ اگر کچھ اٹھام ہو گیا۔ تو آؤں گا۔ ورنہ یہی آخری جوتہ ہے۔

کہا کہ جتنا حجاز میں جی گھر سے باہر چلے گئے۔

سچے انگلیں غصہ کیا۔ وہ ہنسی شکنی سے کہنے لگی، بیٹیا ہی اجاؤ کیجھ آ۔ وہ کہاں جا رہے ہیں گنجھا بھئی کر ٹالالو جا۔ چنا کیوں نہیں؟“

”بائیکے کہاں؟ آپ ہی نوٹ آئیگے۔ میں تراب پاندہ پور جاتا ہوں۔ زبیر راہو کے پاس رہوں گا۔ ان لوگوں نے وہاں بارہا مجھ سے رہنے کے لئے کہا۔ مگر میں تم لوگوں کا خیال کر کے ہمیشہ ان کی بات نہ کرتا۔ تاہم اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ آج سے جو اس گھر پر آئے ہیں۔ وہ چار ہیں۔ وہ اب میں جاتا ہوں۔“

گنگا پانی حیران رکھتی۔ اور حضرت مسیحؑ نے فرمایا: "جو لوگ اس طرح سے ہم
لوگوں کو چھوڑ جائیں تو ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جاؤ اور بابا کو بلاناؤ۔"
مومن لوگوں کے جو جی میں آنے لگے وہ میں نے اس بار کتبہ مبارک میں لکھ دیا ہے۔
سادہ ساری نے دوڑ لگائی کہ دونوں ہاتھ پکڑ لئے کہا "بھئی"۔ پت پڑتی ہوں بابا
کیا یہ ہے۔ ہاتھ پکڑ لئے کہا "بھئی"۔ پت پڑتی ہوں بابا

سدا کہ اگر ہم نہ کہ جلد یا دیر کا کچھ کو چھو باب لے جو تہہ گھر بیٹھا
بھی سخی تصویر جبروت از سر آمد تہہ

یہی سخی افسوسیدہ حیرت ہے کہ ہمارے ہاں ہر مذہب کے پیروں کو اپنی ہی بات پر یقین ہے۔ ہر مذہب کے پیروں کو اپنی ہی بات پر یقین ہے۔ ہر مذہب کے پیروں کو اپنی ہی بات پر یقین ہے۔

رام شنکر دل کی بیتا دوسے گاؤں کا رہنے چھوڑ کر کینٹوں سے ہو کر جا پہنچے تھے وہ ٹھیک
چوبیس سالہ تھا۔ پیر واپس آئے تھے۔ یہاں پر ایک لکٹی شخص کاٹے جیجے بیٹھا جانے
لگا تھا۔ تو مجھے بھی اس ہی کے کھیت میں پرسن اذیر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ رام شنکر
کو کہنے لگا کہ ۱۹-۲۰ سالہ کہاں؟

وہاں سے آکر اپنے گھر پہنچا۔ وہاں اس کے گھر والے اس کے بارے میں پوچھا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔

بٹھا چاریر جی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ انہیں کسے گاؤں کے دشویاؤں ہیں۔

دشویاؤں نے پھر پاس آکر پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو؟

”کچھ ٹھیکہ نہیں۔ جدھر قدم اٹھتا ہے۔ اسی طرف چلا جا رہا ہوں۔ کسی خاص منزل کا خیال نہ نظر میں۔“ تم دیکھ ہی جتے ہو؟

”اگر تو آدمیوں کے آنے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ پھر کہاں سے آئے ہو؟“

”کون کیسے کہتا ہے۔ تم جانتے ہو۔ تم بھی تو اسی طرف سے آ رہے ہو؟“

”میرے ساتھ چھوٹے بچے سارے راستے سے جانے میں دیر ہوگی۔ اسلئے اوپر سے جا رہا ہوں۔“

”بس میرے بارہ میں بھی یہی سمجھ لو“

”میں تاراؤں کے جہانوں کی کوٹھی پر گیا تھا۔ کچھ کام تھا۔ ملتے وقت نزدیک سے خیال سے سی راستے سے چلا آیا“

”میرے بھی نام سے جی چارہ ہوں۔ شوق سے ڈھیلے بھڑکے۔ لیٹر باریک آتا؟“

”جی ہاں۔ آپ نے فرماتے ہیں؟ اگر کہنے کے لالین ہو تو وہ اندھ صاف پہاڑی بات چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں سمجھتے نہیں“

”جھوک کیسی؟ جیتا؟“

”میں اگر آپ کی کچھ خدمت کر سکا تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گا“

”بہتر آواز میں نے کیا احسان دیکھا؟“ اس نے فرمایا۔ ”اُس کے چہرے

پر شرمندگی احسان کی جھلک نمایاں تھی۔ نہایت ہی سادہ اور سچے اور سچے۔“

”مگر میں کیوں تم سے خدمت لینے لگا۔ میں کس کو فیض پہنچایا ہے۔ جو کسی سے نہیں اٹھائے کی

کوشش کروں؟“

”یہ سب بات چھوڑ دیجئے۔ آپ مجھ سے کوئی خدمت مانجئے؟“

”اس کام کو مانے دو۔ سنو! میں آج کام دھنیا۔ یہ کی کوئی بات کہہ سکتا ہوں۔ اگر گھر

کے خیر و افسانہ ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی بیٹا ہے۔ تو مطمئن ہو جائے گا۔“

بٹھا چارہ۔ ”جی ہاں۔ میں دیکھتا ہوں۔“

میں آج ہی سے کام کرنے کو تیار رہوں۔ لیکن میں جینے کی خواہ آج ہی پیشگی لمبائی چاہئے!
”اچھا چلے“

دونوں مل پڑے۔ دوشو نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ ٹھنڈا سا سر دیا۔ وہ بٹا چلا۔ یہ جی کی
اغرونی حالت تازہ کیا۔

تیسری ننگ

دشو ایک نوجوان لڑکا تھا۔ اس کا باپ گاؤں کا ایک مالدار شخص تھا۔ لیکن وضع بہت میدھی
سامان تھی گاؤں والوں سے اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا دھرم اور غیرہ رکھا تھا۔ بڑے کامکان بہت
مبارجہ اتھارہا۔ لیکن میں میز کر رہا تھا۔ لالہ لالہ اور وغیرہ بالکل نہ تھیں۔ سیدھا سا دھاگا لگا

میں ایک لڑکا تھا۔ جو کہ کچھ بڑا تھا۔ لیکن اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا باپ گاؤں کا ایک مالدار شخص تھا۔ لیکن وضع بہت میدھی
سامان تھی گاؤں والوں سے اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا دھرم اور غیرہ رکھا تھا۔ بڑے کامکان بہت
مبارجہ اتھارہا۔ لیکن میں میز کر رہا تھا۔ لالہ لالہ اور وغیرہ بالکل نہ تھیں۔ سیدھا سا دھاگا لگا

میں ایک لڑکا تھا۔ جو کہ کچھ بڑا تھا۔ لیکن اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا باپ گاؤں کا ایک مالدار شخص تھا۔ لیکن وضع بہت میدھی
سامان تھی گاؤں والوں سے اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا دھرم اور غیرہ رکھا تھا۔ بڑے کامکان بہت
مبارجہ اتھارہا۔ لیکن میں میز کر رہا تھا۔ لالہ لالہ اور وغیرہ بالکل نہ تھیں۔ سیدھا سا دھاگا لگا

میں ایک لڑکا تھا۔ جو کہ کچھ بڑا تھا۔ لیکن اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا باپ گاؤں کا ایک مالدار شخص تھا۔ لیکن وضع بہت میدھی
سامان تھی گاؤں والوں سے اس کا نام نہ پڑتا تھا۔ اس کا دھرم اور غیرہ رکھا تھا۔ بڑے کامکان بہت
مبارجہ اتھارہا۔ لیکن میں میز کر رہا تھا۔ لالہ لالہ اور وغیرہ بالکل نہ تھیں۔ سیدھا سا دھاگا لگا

کو ایک طرح سے سمجھا اچھا کر اور اس کا بات اس کی موسیٰ بن پورنٹے بات میں دیکھ کر اس نے جھنجھٹا دیا اور کہا۔

”پتھر نے پروشو کی دنیا مارا ایک بوگڑا۔ اب انہیں کو تھری چھوڑ کر باہر نکلتا پڑا۔ گویا نئی زندگی شروع ہوئی۔“

ان پورنا نہایت ہی بلیقہ شعاری اور خوش انتظامی سے خانداری کا کام چلانے لگی اُسے اگر کوئی دیکھتا تو وہ صرف یہ کہ ابھی تک پروشو کی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس نے ایک اور پروشو کو نکال کر اہل بیٹا میری ایک نو بہش ہے۔

”کیا موسیٰ؟“

”سب کے گھر دیکھو ہوں میں صرف میرا ہی گھر خالی ہے۔“

”پھر کیا کروں؟ آدمی تو بچا پر گھڑا نہیں جاسکتا۔ جو ایشور نے نہیں دیا اس کی ذمہ داری ہے۔“

”موسیٰ جو کہ آدمی تو گھڑ کر لانا ہی پڑے گا۔ مجھے بس یہ کہنا ہے کہ یہ آدمی ہے۔“

”مجھے یہ پتہ نہیں کہ یہ آدمی کون ہے۔“

”یہ آدمی ہے جس نے ایشور کو مارا۔“

”اس آدمی کو قتل کر دیا۔“

”امانت کریں گے؟“

”موسیٰ اپنی تاک کر دو سکر کے سفر میں نکل ڈال انسان فی فطرت ہے۔ تمہیں بتاؤ نہ دو کر۔“

”کی لڑکی گھر میں کیوں لاؤں۔ بیٹھے بٹھائے ایک جنازہ میں پڑنا مناسب نہیں۔ ہم دونوں ماننا۔“

”گھر میں رہیں گے۔ تو کیوں نہ رہیں؟“

”میرا ہی کی بات کیوں نہیں؟ اگر ایک شخص اور اپنے گھر میں آجائے۔ تو کیا برائی ہے۔ بلکہ۔“

”خوشی کی بات ہے۔“

”ایک اور آگیا تو پھر کہو گی۔ کہ ایک اور آجائے تو اچھا ہو۔ اسی طرح خواہشات کا نام ہے۔“

”سلسلہ طے نہیں کیا گیا۔“

”ایک سال کا نہیں دیکھا۔ اب میں میری ایک سیم نہیں شوئی کوئی لڑکی تیرے لئے تلاش کرتی ہے۔“

”تمہاری سیم ایک نہیں بلکہ دو تھیں۔“

کھل گئے۔ راکر چٹا چپا کھڑی رہی۔

کچھ دیر بعد شو تھیں۔ سہ کے موٹے ٹوٹے گئے۔ تو انہوں نے دیکھ کر کہہ دیا۔
اُسی جگہ چپ چاپ کھڑی ہے۔ راکر تھکتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے راکر سے گئے۔

دیکھا کہ راکر کی انہیں کی طرف دیکھ رہی ہے۔ انہیں چار ہوتے ہی راکر نے اپنی آنکھیں مڑائی
یہ کہہ کر ان کے دل میں خیال آیا کہ ممکن ہے راکر کچھ سی بی کوئی کام ہو اور کم کے دوسرے نہیں خیال
ہو کہ انہیں نے اس راکر کو کہیں کھینچ کر لیا ہے؟ کون ہے؟ کس کا رول ہے؟ وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔
تھے راکر دو چار بار دیکھا ہے۔ وہ تو تیزی سے ساتھ راکر کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔
”جسٹا پار یہی کی؟“

”کون جسٹا پار یہ؟“

”ہاں“

دیکھ کر راکر کی اور کچھ نہیں کہتی۔ اس لئے دیکھا۔ جو کہ راکر سے کسی سے کوئی بات
پوچھنی یہ وہ تو کی عادت کے خلاف تھی۔

دیکھ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے
کہا۔ آپ سے..... آپ سے؟

دیکھ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے

”ہاں“

تسلی سے کہہ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے
کہا۔ آپ سے..... آپ سے؟

دیکھ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے
کہا۔ آپ سے..... آپ سے؟

”کہہ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے

دیکھ کر راکر نے دیکھ کر کسی نے پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ کر راکر سے
کہا۔ آپ سے..... آپ سے؟

سکتا تھیں۔ " تھیں جی جی، کھانے کی اُمید کیونکر تھوڑی ہو؟
 سستی اس ہو کر ملنے لگی دیکھو۔ " تمہارا نام کیا ہے؟
 مدستی۔ "

تمہارا۔ " باپ گھر آئے۔ تمہارے باپ اُسدن کہہ رہے تھے۔ " کو۔۔۔۔۔
 " ماں، کہا سستی آئے بڑھی۔ " دھونے پکچا پکچا تے ہوئے پوچھا۔ تمہارے بابا تان پور کی کوٹھی کو
 روز ملتے ہیں؟ "

پتے پاتے سستی ہوئی۔ " ہاں بابا کرتے ہیں! "
 دشا اور کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے۔ کہ تم لوگوں کو کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہے؟ لیکن
 سستی۔ " ہاں سے تھلی۔ "

پونہ تریک

رام شنکر میٹا چار بی بی جینے میں دس روپے کھڑے لائے گئے۔ اب انہیں کس بات کی فکر نہ تھی۔ مزہ
 سے کھا بی، زیادہ تین چار ملحقہ پی کر آٹھ نو بجے آرام سے سو رہے تھے۔ بہری شنکر فریڈینا چھوڑ
 دیا تھا۔ وہ عموماً چاند پور کے ابو لوگوں کی صحبت میں اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ صرف کرتا تھا۔
 ان لوگوں نے بدل بدلنے کے لئے ایک ایک نام کی منڈی بنا رکھی تھی۔ نور تریکا پارٹ کرنے میں
 بہری شنکر کو خاص سترس تھی۔ لباس بہت زیب دیتا تھا۔ اور اسے سٹیج پر دیکھ کر کوئی یہ
 نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ دراصل عورت نہیں۔ یہ مرد ہے۔ اسی وجہ سے بار لوگ، بھن، اے چھوٹا
 نہیں چاہتے تھے، جینے دو جینے بند آکر کچھ دیکھنا تو گھر والوں کو بہت دق کرتا اور خود
 بھی تنگ ہو کر کھڑے آتا تھا۔ اُسے " بکھے " سونے کچھ کی نہیں مردہ آتا۔ پچھلے پرنے کسبوں
 بی بی اے نیند آتی۔ اب اس کا مزاج بھی کچھ خاص سم کا بن گیا تھا۔

بھٹا چار بی بی اُس کی وجہ سے کچھ زیادہ پریشان نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں
 کے ساتھ جینے سمجھنا کونسی بہت تھوڑی جگہ مل جائیگی۔ اُس کی وہ سفاری ہوئی مانگ
 گھڑی۔ چھڑی۔ شرت دھوئی اور سگا، کی بہار دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ صرف

اپنے جھوٹے بھائی بھائی شکر کو مختلف لالچ دیکھ رہے ایک رہا مال باندھ کر گود میں لیکر سستی گھر سے باہر آئی۔ ماں نے پکار کر کہا۔ ”سرب دوش تیرے بچے کو لے کر آئے۔“ یہ مال سر پر ڈال لے۔
سستی ماں کی بات پر توجہ نہ دیکر بھڑکی۔

دو برس ہوئے کتنا جیسے سنسار لالچ لگتی تھی۔ جسے اس مکان میں سستی نہیں آئی تھی۔ اُس وقت کی نسبت اب سستی سیانی بھی ہو گئی تھی۔ نازم و حیا بھی عمر کے ساتھ بڑھتی گئی تھی۔ گھر کے گھر کی ہو بھیاں معمولی آدمیوں سے اچھی طرح بات چیت بھی نہیں آتیں۔ انکے ملاتے بھی انھیں شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ خیال بھی سستی کے دل میں آنے لگا۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔ اب آج کے بعد پھر وہاں کبھی نہ آؤں گی۔

مگر کتنا جب دوری ہوئی۔ اُس کے گلے سے پٹ لگتی۔ تو اُس کے دل سے وہ تمام خیالات گزرتے کی طرح اُڑ گئے۔ ان دو سالوں کے غرض میں ملتا کا بدن خوب بھرا یا تھا۔ خوبصورتی دو بالا ہو گئی تھی۔ اُس کے حسن میں ایک راز نیندی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس پر غائب بھار تھا۔ یہ لکڑی انکھیں فطرت محنت سے متوال ہو رہی تھیں۔ اُس کے گلانی گالوں پر ملا کی شوخی تھی۔ شانوں پر ماگن کی سی لٹیں لہرا رہی تھیں۔ انکے سینہ و سہ بھری تھی سستی چپ۔ ہاں، تکلف آمیزہ نگاہوں سے اُسکی طرف دیکھتی رہی۔ کتنا بھی چہلے چہلے کوئی بات نہیں کہہ سکتی۔ اُسے ملوم ہوتا کہ یہ سستی نہیں ہے، دوسری ہے۔ کسی نے منہ نہ مانتے۔ اپنے میں جیسے دُعا لیا تھا۔ دُکے سوکھے ہالوں کی لٹیں گویا اُس کے خوابیدہ سن پر اپنا سایہ چھپائے ہوئے تھیں۔ ہونٹوں میں طمانیت اور قناعت کی ہنس بھڑکتی تھی۔ آنکھوں میں اوصاف مزیدہ کے نقشہ کے دورے جھلک رہے تھے۔ اور دل نشہ مبتلا سے سرشار ہو رہا تھا۔ کتنا سستی کے گلے میں اپنی دونوں باہیں ڈال کر بولی سکتی۔ اتم تو نقد یہ سنگدل ہو گئیں کہ اگر ملاقات بھی نہیں کرتیں۔ میں اگر جلنے پانی تو اب تک کبھی کی تمہارے گھر پہنچاؤں ہوتی کہ وہ دیکھ لے آئی ہوں۔ مگر تیرے دن گئے۔ آج چوتھے دن تم سے ملاقات ہوئی بھی اُس کی بات شکر ہنس لگی۔

کتنا پھر کہا۔ تم اس قدر رخصتی ہی کیوں ہو رہی ہو؟

”مہر رخصتی کہاں ہوں۔ یہ مجھ تو خیال کر رہا کہ آج کتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔“

دوبیس ہوئے ہوں گے اور کچھ بڑے بڑے چڑی ہوں گے کہیں آئے ہونگے سے بھی اچھا ہوں گے
 معلوم کئی میچوں اور خوشامدوں سے اس مرتبہ آئی ہوں۔ یہ کہہ کر تھلا ہنسی اور اس کو ہنسنے لگے کہ
 سچی کو بھی مشورہ دینا افسانہ ہے۔ میں نے کہا میں بولی کس سے کہہ سکتا آئی ہو؟ ان کے لوگوں سے؟
 مہکنا کتنا کیا؟ ساس سسہ کیا اپنے لڑنے کے خلاف مہضی کچھ کر سکتے ہوں؟ میری جھپٹائی تو
 بیچ بیچ اپنے میکے جاتا ہے۔ لیکن پھر قسمت نہیں جاکتی تھی۔ میں جب ان سے یہاں آئے کیسے
 کہتی تھی۔ تو وہ مذاق مذاق میں یہ ذکر کر سی اڑا دیتی تھیں اور وطن آمیز لہجے میں کہتی تھیں۔ ابھی نہ
 فوٹی ہو، اسی سے اتنی چاہ ہے۔ ہم لوگوں کا بھی پہلے ہی تالی تھا۔ وہ لوگ اس قدر سنگدل ہیں۔ وہ
 یہاں کے انہیں نہیں لینے دیتے۔

اسی طرح وہ دنوں سکھوں کے درمیان ہنس مذاق اور چیل ڈالنے کی باتیں ہوتی رہیں۔ کتنا
 کی دلچسپی کی ذہانت کی شکر سچی بہت خوش ہوئی۔ اس سے دل میں دوبیس پلے کی باتیں بھی
 کہتی رہتی تھیں۔ یہ کہہ کر دیتی تھیں اور وہ سوچتی تھی۔ کتنا بڑا۔ تو مرگ۔ یہ خیال رہتا ہی
 اس کا دل دیتا ہے۔ ہوتا تھا شادی کے وقت کتا کا وہ اداس اور پشورہ چہرہ دیکھ کر سچی کے
 دل میں ایک ایسی آمیزش پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچے سے وہ دوشو سے بھی ناخوش رہتی تھی
 اتنے دنوں بعد تمام فکریں دھج ہو گئیں۔ لیکن بچوں میں ایک۔ ناخوش کی پشورہ دیکھنے
 لگی۔ اس سے معلوم ہوئی کہ اس پر پیچھے کے سب بار بار دل میں خواہش ہو رہی تھی۔ یہ بار بار سب سمجھ کر
 وہ اپنی خواہش کہہ کر دل میں دلیر ہو رہی تھی۔ وہ بار بار شکر کی منتقل باتیں ختم ہوتے پر کھٹے ہوا
 تھے۔ یہاں اس سے کہہ دیا۔

”میری کوئی بات ہے۔ میں تم سے کہوں؟“

”شادی کی بات کیا۔ یہ ارٹھنے دنوں تک پشیا کر دے گی؟“

”سچی ہنس چڑی۔ کتنا جلی۔ ہنسنے سے کام نہیں۔ چلو کہیں شادی کی بات چیت ہو رہی

چہ یا نہیں؟“

”میرے کیا ہوا؟“

”وہ کیا ہے؟“۔ ”اگر تم کوئی کچھ جانتی ہی نہیں۔ اب تو تم سب کی باتیں شادی

میرے ہائے بڑے کرنے سے کیا ہوگا! ایسا ہی میرے من میں تو نہ لگیں! میں بھی عجب تھکی ہوں میرا
ان سب باتوں سے واسطہ ہی کیا ہے؟

رام شکر کو کھانا اُٹھا لیا ہو گیا۔ وہ اُٹھنے لگے۔ مگر سستی پاؤں کڑک رہی تھی۔ بابا! اٹھو مت! کھا لو
غصہ سے بات جھڑک کر رام شکر بولے۔ مرو! تم سب مرو! یا میں مر رہی ہوں۔ جب یہ کہانی ہو گئی
یہ کہتے کہتے رام شکر کا سانس پھولنے لگا۔ وہ کھانے کھاتے بیہوش ہو گئے۔ لنگا گھبراہٹ ہوئی
دوڑی اور ان کے سینہ پر ہات پھیرنے لگی۔ سادو تری بھی روڑا نہ بنے۔ نہ کرکے پکھا کرنے لگی۔ سستی دیکھ
ہی چپ چاپ بیٹھی کی ٹہنی رہ گئی۔

جب کچھ ہوش آیا۔ تو بڑی آرزو مت کرتے۔ پر اب شکر نے یہ چار لٹے۔ روز ہر مار کئے
لنگا شکر کو پاؤں دینے لگی سستی جا کر گھر میں سو رہی۔ لنگا نے دیکھا۔ چہ چہ ترسے۔ کہ پاس بیٹھی تھی
سادو تری پتھکے۔ بلی کو ہٹا رہی ہے۔ لنگا نے پوچھا سستی کہاں ہے؟

سادو تری نے کہا سونے لگی ہے۔ تو کھانا پر دس! میں بھلا لاتی ہوں

سادو تری نے کہا۔ بہن! کہنے چلے۔ مگر سستی نے کچھ جواب نہ دیا۔

دو جی جی! کھانے چلو۔ ماں مٹی میں۔ لیکن جی جی شس سے بس نہ ہوئی؟

جی جی! جی جی! پائوں پڑتی ہوں۔ چل۔ کیا بالی بات پر غصہ ہو گئی ہو؟ کیا ان کی بھینٹ

کو تم نہیں سمجھتیں؟ بھٹک چلے۔ نہ لنگہ کھا لو!

سٹخے سے چادر ہٹا کر رقت آمیز لہجہ میں سستی بولی تم جاؤ ماں! اور تم دونوں کھا! لٹھا لو میں لٹکائی

میں تھکے پاؤں پر اپنا سر تکیا کر مر جاؤں گی۔ ورنہ چلو!

سستی نے محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ یہی بہن! تم جا کر کھاؤ۔ مجھے بھوک نہیں طبیعت خراب ہے

اتنے میں لنگے آکر کھا۔ تم سب ایسا ہی کرو گی تو میں کیسے جیو گی؟ یہاں ان کے پاس چلو آؤ

سستی نے کہا۔

دوسرے دن صبح رام شکر اُٹھ پڑے۔ بڑے بہت کچھ سوچ بچار کر بولے۔ دیکھو آج

سے ہی میں اس کے آگے تلاش میں رہوں گا۔ مگر چاہا۔ اس کے نام مردہ ہی گھر ہے کیسا ہی اس کا ہوا کم از

کم چار پانچ سو روپے کی توقع کرتی ہو گی۔ کچھ نہ کہیں۔ بہن! رکھنے کے سوا۔ اور کوئی تیرہ ہزار

اگر ایسا ہوگا کہ میں مکان میں نہ رہوں تو خوب ہو۔ خیر جو ہو۔ اب تو کچھ نہ کچھ فکر کرنی ہی پڑے گی۔ لاکھ لاکھ گناے کا یہ پہلے لڑکے کا تھما س کر وہ بعد میں روپے کی فکر کرنا۔

رام شنکر نے کہا۔ تم یہ کہتی ہو۔ اور میں یہ کہتا ہوں۔ کہ لڑکے سے پہلے لڑکی کی ضرورت ہے۔
جس قدر روپیہ ہوگا۔ اُسی قدر لڑائی بھی چھوڑ دینا۔ راز کی کے لئے اس قدر تہ مکان سے ایک جاگہ
نگاہ کے مکان کے اندر جا کر دیکھا راستی سوئی ہوئی ہے۔ یہ سب باتیں وہ نہیں سن سکی۔ اُس نے
ایک تکیں بخش سانس لیا۔

پانچویں تنگ

و شوکی موسیٰ ان پورنا بوی نے ساوڑی نرت کا اُڑتے پتے یا تھا۔ اس لئے ان کے گھر
بڑی دھوم مچا۔ ان کے پاس کچھ بچے تھے۔ سبھا گیتوں کو کھانا پانا شروع کیا گیا۔ موسیٰ
ساوڑی کے ساتھ کچھ بچوں کو بھی لے کر اپنے گھر پہنچا۔ یہاں پر ان کے بارہ بچے کی طرف
دیکھ کر ان کے پیارے بچے کے ساتھ کچھ بچے کے ساتھ کچھ بچے کے ساتھ کچھ بچے کے ساتھ
لجابت آمیز لہجہ میں گیت گایا۔ یہ گیت سن کر بچے کے دل میں بے حد جلی جانا۔ تم سے مجھے کچھ خاص
بات چیت کرنی ہے۔

جب سب جلی گئیں تو رنج پڑنا نہ کہہ سکتے تھے کہ یہ بھینس بخاری بڑی لڑکی کہنے
 برس کی ہوئی؟

”عقلمند چہرہ پر ہنسنا چاہیے نہ غصہ؟“ ”کوئی نکتہ چیرہ پر سر کی ہوگی“

حکومتیں کو

دو شاہی کے شئے زوڑ و زحمت بہت ہو رہی ہے۔ لیکن ابھی تک آپ بات چیت چمختہ نہیں ہوئی۔

”ایسی خوبصورت لڑکی تو لوگ خوشامد سے کہیں گے۔ میرا اس قدر دیر کیوں ہو
رہا ہے؟“ سنگھ نے سرش رینگتے ہوئے پوچھا۔ ”ابھی گئی۔ دوشو کے لئے بھی کہیں ایسی کوئی دُہریں
ہوتی تو کبھی پہنچ رہی ہوتی۔“ مٹس کے بدن سے لہجہ نہ مٹنے لگا۔

ہر ایک کے لئے ایک نیا سریشہ تھی۔ اُن پُرانا ہتھی گئی۔ دوشو کے لئے بھی کپڑا ایسی کوئی دھپن نہ تھی۔ ان کے ہر ہاتھ پر ایک نیا کپڑا تھا۔ اُس کے بدن سے پسینہ نکلنے لگا۔

میں نے یہ سچا کہہ دیا کہ میں نے اس سے پہلے یہ نہیں کیا۔

گوئی ہے کیا ہی نہ ہونے کا ہزار شوشہ نہ جانے کیا کہہ رہے اس سے بھی ہنر لڑکی
 بڑھ چڑھ آئی ہو گی۔
 ”نہیں! ہتھاری دودھوں لڑکیوں کی لوگ بڑی تعریف کرتے ہیں۔ سیانی ہونے پر اکیلا
 بھی میں نے انھیں نہیں دیکھا خیر خنید دان سب باتوں میں کیا دھڑا ہے! میں ہتھیں زبان
 دیتی ہوں۔ بڑی لڑکی تم مجھے دو!“
 ”گنگا خیر شہزادہ غشی۔ بڑی شخص سے آرزو مند نہ لہجہ میں بولی تھیں کیا میری لڑکی جیسی
 خوش قسمت ہے کہ۔۔۔۔۔“

یہ سب باتیں رہنے دو۔ ایسی لڑکی خوش نصیب نہ ہو گی۔ یہ لڑکی ساکشات دیوی ہے
 بیٹی! تیرے بڑا پسینہ آ رہا ہے۔ دھڑا۔ چکھا کر دوں گی
 ”اُن پونہ آجکل سے تھی کو نکھا کر نے لگی۔ لیکن اُسے اور بھی پسینہ آنے لگا۔ ساو تری
 کھسک کر تھی کے نزدیک آ گئی۔ اور چشم آئینہ نظروں سے بہن کی طرف دیکھنے لگی گنگا
 نے کہا۔ بہن! بڑی رات ہوئی۔ اب میں باقی ہو رہی ہوں!
 ”میرا بات کا کیا جواب دیتی ہو؟“

”دو بہن اگر میری تھی تھی رے خیر توں کی داسی ہو۔ تو اس سے بڑھ کر اُس کی خوش نصیبی
 اور کیا ہو سکتی ہے۔ اُوہ ہتھاری ہو۔ اس میں لوگوں کو کہنا نہ ہونا ہی کیا ہے! لیکن وٹو کی
 رے! یعنی تو ضرور دے رہی ہے!“

”اگر تھی اُس کو پسینہ آئی۔ تو میں جھوٹ کی اُس کی قسمت میں شادی لکھی ہی نہیں
 ہے۔ لیکن بہو تم اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ بات مشہور نہ ہو جائے۔ اُسی کا بڑا ہتھری ہے۔
 دوسرے کے منہ سے سن کر کہیں کچھ گڑبڑ نہ کر بیٹھے۔ میں اُسے رفتہ رفتہ راستے پر لاؤں گی۔
 لیکن تم اندیشہ نہ کرنا۔ دنیا میں کوئی ایسا لڑکا نہیں ہے جسے تمہاری لڑکی پسند نہ آئے
 میں تمہیں نہ ان سے کہیں۔ اب دو ایک ہیستے صبر کر دو۔“

گھر کا کہہ گنگا نے تمام باتیں بھٹا جا رہی تھی اسے کہیں۔ انھیں خنید آ رہی تھی۔ ایک ایک
 بیٹھے۔ مارے خوشی کے سب کچھ بھول گئے۔ تب چہرہ اُس بات کی خوشبو بہت چارہ لگا

ستی شرم سے نہ ہر سر جھکائے دی تھی۔ اس کے زسار گلاب کی طرح سرخ ہو رہے تھے بدن پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں شربت کا دریا غلہ میں مار رہا تھا۔ زور دل میں ایک گدگد سی پیدا ہو رہی تھی۔ ہونٹوں پر نہایت ہی لالیت۔ اگر کسی نے اس پر جھجک رہی تھی۔ وہ محنت کے اس پر سرد غلبہ کے زیر اثر نہ آئی تھی۔ جو وہم گمان کے ٹھکانہ سے بھی باہر تھا۔
اپنی بہن کو اس کشمکش میں دیکھ کر سادتری نے نہایت خیرین انداز میں کہا: اس کا نام کافی شکر ہے۔ اور وہ سویا ہوا ہے۔

”ہمارا ہی نام سادتری ہے نا“
”ہاں“

”وہ تمہیں میں نے اس وقت دیکھا تھا جب تم بہت چھوٹی تھیں۔ اس وجہ سے پہچان دے سکتی کو بار پوچھتا ہے۔ اچھا سنی اتم کچھ لکھتی پڑھتی ہو یا نہیں؟ کون کون سی کتابیں تم نے پڑھی ہیں؟ رمان، مہا بھارت پڑھی ہے یا نہیں؟
سننے پر اب اس نے کہا: ”اے دلدار! یہ ارغہ خود کو کسی پر زور کشش سے کچھ دبا رہے تھے جس کا استقرار نہ رہا۔ شیشہ کو اچھا نہ معلوم ہوا۔ وہ دل میں پریشان ہو گئے سادتری نے جواب دیا۔ جی جی نے رمان اور مہا بھارت دونوں کتابیں پڑھی ہیں۔
”تم نے بھی پڑھی ہیں یا نہیں؟“
اس مرتبہ سادتری نے سر ہچا کر کہا۔

”کھانا کھا کر حبیب دو توڑ لیا کیاں اپنے گھر چلی گئیں۔ تب آن پڑنا نے وشوٹ پوچھا۔
دونوں لڑکیوں میں کون زیادہ خوب صورت ہے؟“

”وہ زیادہ خوب صورت“ انجب فیز بچے میں وشوٹ نے کہا۔ دونوں لڑکیوں نے یہ سنا تو نہیں سمجھیں دیکھنا ہے کہ کون کس ہے۔ کون زیادہ؟ لیکن موسیٰ نے سوال تم مجھ سے کیوں کر رہی ہو؟
”جواب دینا ہے کہ تم نے کچھ اچھی لکھی۔ کچھ سیر ہو کر۔“ وہ نے کہا۔
”وہ سستی لڑکی تھی۔
”نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر سے آنکھیں ہٹا لے کوئی بھی نہیں پڑھتا۔“
”جواب دینا ہے کہ تم نے کچھ اچھی لکھی۔ کچھ سیر ہو کر۔“ وہ نے کہا۔

اس کی بڑی بڑی خوشیاں ہوئیں۔ اس کے گھر میں ہر وقت بھڑکے سے شادی کی بات چیت نہ کرو۔
 اس وقت نہیں تو کب شادی کرے گا جو بیس سال گزر رہا ہے۔ اب بھی لڑکپن نہ
 چھوڑے گا۔ بچاؤ دیکھ! میں ہی آخری بار لڑکپن میں تھا۔ اب میں بڑا ہوں۔ چکی ہوں مجھے اُن
 لوگوں کے روبرو شرمندہ نہ کرنا۔ وہ دھینچے سے وہ لوگ میرے بھروسے پر ہیں۔ اگر تو میری
 بات نہ ملے گا۔ تو میں گھر چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں گی۔“

ویشواچار ہو گیا۔ رنجیدہ ہو کر بولا: ”موسیٰ! جیتے دن معاف کیا۔ اور برس چھ مہینے
 معاف کرو میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں مجھے اپنا دل اچھی طرح سے منہ پر ڈالنا پڑے گا۔“
 دل کیا مضبوط کرے گا۔ دُشیا میں کیا کوئی شادی نہیں کرتا۔“

”کہتا کیوں نہیں۔ لیکن میں نے تو اب تک شادی نہیں کی۔ اسی وجہ سے خوف معلوم
 ہوتا ہے۔ میں اب تک آزاد اور ہوں۔ اور آئندہ بھی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم اصرار کرو گی
 تو مجھے اپنے تمام عزیزاں سے شہرت اور فخر کے ساتھ تبدیل کرنا پڑے گا۔ میں بھی تھوڑا
 وقت دو۔ اس طرح باندھ کر نہ مارو!“

فائدہ ہو کر موسیٰ نے کہا: ”ویشوہ لوگ ایک سال تک لڑا کر شادی نہ ملتی ہیں
 کر سکتے ہیں انہیں کیسے منجھو دیکھاؤں گی۔ شاید مجھے یہ کاؤں ہمیشہ کیلئے چھوڑنا پڑے گا۔“
 ”اگر تم نے اس کا جواب بھی نہ دیا تو میں کہوں گا کہ یہ کہو موسیٰ! ان کے لئے اپنے سے بھی بہتر داماد
 ڈھونڈ دے گا۔ جس قدر خرچ ہو گا۔ سب دیر یا جائیگا۔ تب تو تمہاری بات کی تکلیف نہ ہو گی۔“
 ”موسیٰ! میں اس کے لئے لیکن ویشوہ اتنے ایک بہت چھوڑاؤں کو پاؤں سے ٹھکرا دیا ہوں اس کے
 لئے تجھے زندگی بھر کھیتا پڑے گا۔“

نمائندہ ہو کر موسیٰ چپ ہو گئیں۔ ان کے دل کو بہت تکلیف پہنچی۔ ویشو نے بھی اس کو
 تھکایا۔ یہ کہتا تھا: ”ویشوہ اتنے تھکایا۔ وہ اتنے تھکایا کہ وہ کہتا تھا کہ شادی نہ کرنے کا گواہ ہو
 ہی کر لیا۔ کسی صورت میں کی طبیعت شادی کرنے کو چاہتی ہی نہ تھی۔ اب جا کر ان کی طبیعت میں کیا
 کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے اسی کو بولنا تھا۔ اس بات کو نہ سمجھ کر جو انہوں نے بشیر می کا پرتاؤ کیا تھا۔
 یہ سختی جس طرح ان میں بکھری ہوئی تھی۔ یہ کہتا تھا: ”اب آئی۔ وہ بکا ایک اپنے آپ پر“

سنت و فرائض کی صد ایسے بلند کرنے لگے مرام رام امیں نے بہت بُرا کیا کہ
دوسروں و شوہر اور شہنشاہ کے درباروں پر کڑی نظر کرتے ہوئے فخریہ اعزازات
کہا کہ میں نے ایک بہت بڑے دربار کا کام کیا ہے۔ یہاں تک کہ بہن کی شادی میں جو اختیار
ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے میں اس شادی کا تمام خرچ اپنے ذمے لیتا ہوں۔

بھٹا چار بی بی کو تو فخر کے جوش میں چاروں طرف اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی خود داری
کو دیکھ کر ہنسیاں دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔ کیا میری لڑکی ایسی نامراد ہے؟ شکست آمیز لہجہ میں
بولے۔ بھٹا میں تمہاری اس بھردری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب اور احساس کیلئے۔ یہ گراں بار
نہیں اٹھا سکتا۔ اس معاملے میں فکر نہ کرو۔

شوہر نے بہت سنجیدگی سے دیکھا۔ مگر بھٹا چار بی بی کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ آخر اس ہو کر
وہ غمگین ہو کر آیا۔ موسیٰ سے خوں حال کہا۔ آن پوٹا نے دیکھ کر شرم اندہ غور سے کہا کہ میں اب یہاں
نہ رہ سکوں گی۔ کچھ دن کے لئے کاشی ہاس کروں گی اب ان لوگوں کو کیا اٹھ دیکھاؤں۔ مجھے
پیسے کی تیاری کرو۔

شوہر نے چپ چاپ تمام انتظام کر دیا۔ موسیٰ کو کاشی کے لئے روانہ کر دیا۔ پہلے ہی طے
پایا کہ شوہر ابو اسٹیشن تک پہنچاؤ نہیں سکڑواں جانے پر وہ بھی گاڑی پر سوار ہو گئے۔

موسیٰ نے پوچھا کہ کہاں جائیگا؟

موسیٰ نے گاڑی نہ موسیٰ اکیلا تم مجھے چھوڑے باپ مارا کہ کونج بھانگی۔ ماں کے مرنے پر میں نے
یہ سوچا کہ میں نہیں کیا تھا۔ کیونکہ تم تھیں۔ مگر اب تم مجھے ہڈیوں باپ کا بنا چاہا تو پوچھا
آن پور تلہ نہ اور کچھ نہ کہہ کر شوہر کو سراپی گود میں لیٹ گیا۔

چھٹی رنگ (۶)

چھٹی رنگ میں ہم نے خوبصورت نظر آتی ہے۔ مگر اگر ہم نے کچھ پریشان کرنے ہوتے ہیں۔
اسی طرح شوہر کو دیکھا کہ شوہر کی سی۔ شوہر دیکھنے پر کہا کہ شوہر کی
بات سمجھ کر تانے تو نہ کہتے۔ پتہ لگ جاتا ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ شوہر کو اتنی

برأت ہوئی کہ وہ میرے علم کی بے عزتی کرے گا۔

جب آدمی کا سر کہیں آتا ہے۔ تب اس کے فراج میں آسیدے تعلق سے پیدا ہوا جاتی ہے۔ موت کے بعد ایک مردہ انسان کے لبوں پر پیسے شامی کی ایک ہنا بیٹھا ہوتا ہے۔ زردی مائل منگرا ہٹ جھلک پڑتی ہے۔ سستی کی شادی کرنے پر رام شنکر نے بھی اسی طرح فراغت حاصل کی۔ گویا ان کی جان میں جان آئی۔ نوکر کم کے تین کوڑی لاکھری نے کل تین سو روپیہ نقد چیز لے کر سستی کو بیوی کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ نہیں نہیں اسے بیوی ہونے کا فخر نہ تھا۔ کیونکہ شادی کے بعد وہ اپنے سسرال نہیں گئے۔ ابابری جی نے صرف بے غرضانہ فرمایا کہ اگر تمہارا کہہ کر میں سے زور نام شنکر کو لیا تو پھر یہ کہے جاتی کل کی حفاظت کرنے کے لئے ہی یہ کام کیا تھا۔ آپ کو جب کبھی روپیہ کی ضرورت ہو تو بتائیے۔ اس طرح سستی لڑکی کے بوجھ سے ڈھکی گرسر سے کیا کر لیتے۔ سستی سے لگنا انہیں خوف ہو گیا تھا۔ کہ اب میری یہ بیوی بے رحم ہے۔ رخصت ہونے کے لئے اس نے اسے بھڑکے سے عرصہ میں جتنا چاہا۔ اس نے اس کے اتارنے کے لئے کمر ہمت چست کر چکے تھے۔ مگر یہ نوکر بھی جانے دیجئے۔ رام شنکر اس وقت مطمئن تھے۔ کہ یہ سستی ان کی بہن کی وجہ سے برادری سے نکالے جانے کا خوف تھا۔ اس سے نجات پا گئے۔ مگر اب اس کے ام صرف ایک مکان رہ گیا تھا۔ وہ بھی ایک کوٹھی والے کے نام تین سو روپیہ پر بہن خلد مکان سے بھی سبکدوش ہو گئے۔

کیونکہ انھیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس زندگی میں بہن کی زندگی ہو سیکے گا۔ اب صرف بیٹے پالنے کی فکر تھی۔ یہ بھی وہ سمجھ گئے تھے۔ کہ اب موت آنے میں بہت دیر نہیں ہے۔ جتنے دن بچے ہیں۔ وہی بہت ہیں۔ بہن سچا بچہ ہے۔ کہ اسے معلوم ہوتا تھا سستی جب سامنے آتی تھی۔ تب اسے بھی دو چار ایڑی بینڈی شاکر دے دیتے تھے۔ کبھی کسی جن بڑا نوکر گھر میں آجاتا تھا تو اسے بھی نہ بھگایا۔ نہ کیا گھر سے نکل جانے کو کہتے تھے۔ چھوٹے لڑکے کو مارنے کے پیشہ تھے۔ سستی کو دیکھ کر منہ چھپا لیتے۔ بھاری ہر بار سے کبھی چھی طرح بات بھی نہیں کرتے۔ تھے۔ یہ بچے اکثر روتے جلاتے تھے۔ جیسا کہ ان کے بڑے بھائی کا کر

ایسا ظاہر ہو رہا تھا کہ جو عورتیں کہ بڑی خوف سے دم بخود ہو جاتی ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں ہلکے ہوتے ہیں۔
اُس نے پکارا ابا!

لیکن ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بڑی زور سے ہونڈیں پڑنے لگیں جیٹھانی جی دوڑتی ہوئی لوٹ رہی تھیں۔ کہ اسی وقت پھسل کر ٹوک لائے ہوئے گر پڑیں۔ ساوتری دوڑتی ہوئی گئی گنگا اس وقت بچہ کو لے کر گئی۔

ادھر زمین و آسمان دونوں کی حالت براہ راست دیکھ کر چچا کو جزا اور اوروں کی نیچے آ رہی تھی۔ عین اسی وقت گنگا کو کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ وہ فوراً دوڑی۔ اس کے ساتھ جی سٹیو دساکتری بھی دوڑیں۔ وہ وہ کر پاؤں پھسلنے لگے۔ تاہم یہ سب باہر ڈیوڑھی پوتتی ہوئیں کچھ نہیں۔

ڈیوڑھی کے باہر رام شکر اوندھے پڑے تھے۔ گنگا نے جاکر انھیں اٹھایا اور ان کو رو کر پکارنے لگیں۔ ابا!

”چپ رہو۔ چپ رہو۔ میں اکیلے نہیں جہنم لے سکتی۔ تم بھی پارو۔“
گنگا اس وقت بید کی طرح تھک کر کامیاب رہ رہی تھی۔ جس شخص کی تھکن کے ساتھ ہی وہ بھی تھک رہی تھی۔ بہت مشکل سے تھک کر عورتوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ کہ ان کے لائیں اور پوت
پوت لگے۔ کہ اگرچہ جیٹھانی چچا کو لے کر گئی تھی۔ مگر ان کی جگہ سے وہ بھی چھوٹ ہو گئی تھی۔
سٹیو نے کہا جی سے آگ جلاؤ۔

گنگا نے چڑنی جیٹھانی جی آگ میں آگ جلائے لگیں۔ جیسے کہ بڑے آثار کر سکیے کہڑے جیسے کہ بڑے۔
سٹیو نے کہا جی سے آگ جلاؤ۔

ایک دم خوفزدہ کان کیسے کہ میں کھڑا تھا ساوتری کو آبدیدہ کر کے کہہ رہی تھی۔
سٹیو نے کہا کہ اگرچہ وہ بڑا بڑا ہے۔ پھر اس سے کہا۔ ماں تھوڑا سا دیر نہ کہہ کر کہہ دو۔

دیر نہ کہنے سے کہہ گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ بڑا بڑا نہیں جاتا۔

ستی نے دودھ گرم کیا۔ وہ چمپے سے غصہ سے غصہ سے بھٹا چار دیوے کو پکڑا لے لی۔ اب رام شنکر کچھ
 ہوش میں آئے۔ ایک کسی کے ہوش دھواں بجائے نہیں تھے۔ مگر اب رام شنکر جی کو روٹ بدلتے
 کی خواہش کرنے لگے۔ سستی نے پکارا۔ بابا!
 سستی کی طرف دیکھ کر رام شنکر نے کہا۔ کون ہے؟

”میں ہوں بابا سستی“

مرتے ہوئے رام شنکر نہ جانے کون سی طاقت پا کر طاقتور ہو گئے۔ اور دہانے ہاتھ سے
 بڑے زور سے ٹوکی کو دھڑک دھکا دیکھوئے۔ چلی جا۔ مٹ جا۔ جھگ جا۔ سستی اناںس اب میرا
 کیا کرے گی؟ مجھے کھائے گی کیا؟ دودھ ہو میرے سامنے؟
 سستی بہت گئی۔ تنگنا چپ چاپ سر ہٹوا کر ہونے شوہر کا بدن سیکھنے لگی۔ سادہ تری بھی بچی
 نظریں کئے بیٹھی رہی۔ بیٹھانی جی بھینکتی ہوئی بولیں۔ مرنے کے قریب آئے پھر بھی کبھی
 کی عادت نہ گئی۔

گنگا نے اپنے آستین پر بچھتے ہوئے کہا۔ طبیعت کیسی ہے؟

”کیسی ہے؟“ گنگا نے آغوش میں آکر کہا۔ اب کیا دیکھتی ہو۔ چھٹی پٹا“

گنگا غصہ سے بولیں۔ سادہ تری ہو کر بولی۔ بابا! ابھی بات نہ ہو۔

تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رام شنکر نے کہا۔ بیکوں اس میں دیکھ
 کی کیا بات ہے۔ میں نے نہیں بابا۔ طرح لاٹ پاری نہیں کیا۔ نہیں میری موت۔
 نہ بچیں گے۔ تم نے جہم میرا دے پٹ کھایا۔ روکھا شوکھا کر اتنی بڑی ہوئی تو میرے مرچا
 پھو ہوئی۔ تیرے تیل کے ڈبوں میں پھونک کر کس بات کا۔ میں اگر زندہ رہا تو تیری شادی تھا
 کسی بوڑھے کے ساتھ کروں گا۔ میں کہہ کر لوگوں کا باپ ہوں۔ کبھی نہیں!

گورو سے رام شنکر کا رچھو آیا۔ اور پھر بغیر غصہ آگندہ اور بعد ہوش میں
 آکر بچے نہری آیا ہے۔ دودھ کر کے پیو۔ میرا تیرا میرا سادہ تری ہوئی کھائی؟ بیٹا
 کہاں آئے ہیں؟ انہیں کون ہے۔ جھگہ ہے۔ میں انہوں کے بات کا نہ بھی نہیں ہوں گنگا
 دیکھا وہ جہم میں جاملے؟

نکلتے مایوسانہ ہجوم میں کہا۔ تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ دیکھو ان کے پاس بیٹھی ہے۔ ایک بار ملاؤ تو سہی!

رام شکر نے سستی کی طرف نظر ڈالی اور مایوسانہ انداز سے کہا بستی آئی بیٹی! " جہاں تک ہو سکے میری بچاؤ کے بائیں ہات سے آنکھیں بند کئے باپ کے پائینے آگے بڑھ کر بھٹا چارہ جی کہنے لگے دہاں نہیں۔ ادھر آکر بیٹھ تجھ سے دو ایک باتیں کہنی ہیں مجھے میں نے بہت برا بھلا کہا ہے۔

سستی منہ پھیر کر اپنے سر ہانے آئی بیٹی، اس کی طرف ذرا دیر دیکھ کر رام شکر نے کہا "تجھے آشیر باد دوں انہیں تجھے آشیر باد کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ اگر تجھے وشو۔۔۔ نہیں اس بات کا۔۔۔ سوچا ہی فضول ہے۔ کیا کروں آشیر باد دوں۔ سن مٹی! اب آپ کے کاموں کا پھل لڑ کے پتہ بھی جھوٹے ہیں۔ اسی وجہ سے تم لوگوں کو دکھ ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہو گا۔ کیا کروں ان کو چارہ نہیں۔ دانستگی میں قیاس سے کوئی باپ نہیں کیا۔ نہایت یہ پچھلے جنم کے پاؤں کا پھل ہے۔ تجھے میں کس منہ سے آشیر باد دوں۔ یہ آشیر باد کی جڑ تو میں ہی اپنے ہاتھوں سے کاٹ دی ہے۔ تب یہ سمجھ رکھو کہ بہت مجبور لاچار ہو کر میں نے اپنی اولاد کا اپنے ہاتھوں سے تیا ناس کیا ہے۔ کیا کروں کوئی تدبیر نہیں تھی "

سستی کو حسیہ کاٹا۔ کیا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ گنگا نے کہا اس وقت یہ باتیں نہ کہنے " ذرا سو رہو۔

سو رہو کیوں سو رہا۔ اگرچہ یہ بعد تو ایسی نیند آئے گی کہ پرلے تک آنکھ دکھائی نہ پڑی سانس تو ہو گی۔ اسی لئے جتنی دیر ہو سکے۔۔۔۔۔ باتیں کہنے سے تپتی آگ کہاں گئی بیٹی! نہیں نہیں تو ہے! اچھا سن۔ کیا کروں۔ یاد نہیں آتا۔۔۔۔۔ آشیر باد آئی کہہ کر تجھے آشیر باد دوں میں تو اب چلا۔۔۔۔۔ تجھے۔۔۔۔۔ " "

یتیمانہ انداز سے سستی نے کہا آپ بائیں گنگا! اب انہیں آپ کی خدمت کرنے کا اچھی طرح مجھے موقع نہیں ملا۔ اس لئے آشیر باد دیکھ کے جلد آپ کے پاس پہنچ کر رہ جاؤں گا۔ کیا آپ کی خدمت کروں

اُس کے دل میں یہ خیال کہ جلد فراموش ہو اؤں۔ بابو لوگ کچھ نہیں بولے۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس طرح کے آدمی
رام شنکر کی دوشے کے پتہ پر وہ بن بعد تک کسی نہ کسی طرح گزارا ہوتا تھا۔ پھر اس سے رانی
نکلنے کے لئے بلیوں نکالائیں۔ کھانا کھانے کے بعد سچے گنگہ داوان بیہ ایک چٹان پر کھانے
کے پاس ہی سٹارڈا۔ وہ پتے کے۔ یہ بات رکھ کر ایسا نہ تھا کہ اس سے مکان کی منبر لے لیتا تھا۔
دیکھنے لگی۔ بچہ دین طرح طرح کے فرنگیوں جو جہاز پر بیٹھیں۔ اُس کی یہ بات سن کر وہ
زندگی سے تار تار بیٹھ رہا ہو گئے تھے۔ پر قسمی اُسی طرح ہنس رہی تھی۔ دن اُن طرح۔ شیش
رہے ہیں۔ آفتاب دیکھتے ہی جلال کے ساتھ نکلتا ہے۔ چاند کی نورانی کرنیں جبکہ اُسی طرح چلتی
بجھتی ہیں۔ رات بھی اُسی طرح ستاروں سے جگمگا رہی ہے۔ چاروں طرف یہ عیسائی شیشیوں کی
ہوئی ہے۔ کوئی کسی کی کے لئے ایک دن بھی رنج و غم نہیں کرتا۔ سب کو جانتے ہوئے یہ ایک
ہری کے قدم لکھ میں نہ پڑتے تھے۔ یہاں معلوم ہو کہ اگر کوئی خوفناک چیز نہ اُسے گھر
میں جانے سے روک رہا ہے۔ تمام ستاروں کے کنارہ براہوتھا۔ اُس نے سوچا یا ہا۔

[illegible]

سستی اور سارے جرن سے اپنا اپنا کام چھوڑ دینا لگا۔ یہ بھی چونک کر انھوں کی طرف نہ دیکھا۔
ایسا غصہ اس ہوا کہ باہری شکر کہہ سادھ، اسکا شوہر بھی آگیا اپنے دوست پرست میں غصہ منہ سے
اُسے دیکھ کر وہی دین میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح اس گھر کے کچھ لوگ آئے۔ ان دنوں غصہ کا دور آگیا
وہ بھی دیکھنا غصیب پر آئے۔ سمنان پر چاند شکر مارا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ آج میری بہن ہے، چٹا
گور جو اختیار کیا ہے۔ اور شاید یہی اس کی تمنا ہے۔ پہرہ کے پاس آئے بھی نہ دیکھے۔ کچھ عرصہ
کر لیں۔ وہ کتاب الوداع دیکھ کر بے چارہ۔

اور اس وقت میں اگر کہنے لگیں تو کہیں ہر جا یا پھر کے مقصد سے ایسا کچھ نہ تھا۔ زبانی یہ باتوں
اب پایا گیا کیا ہے کہ رشتہ بنانا کسی دوسرے کو جس سے دل و جان ہو سکے وہ اپنے کو ان کی طرف متوجہ کرے

کی معرفت مجھے خط لکھ دیا۔ یا کسی آدمی کو بھیج دینا میں چلاؤں گا۔

کچھ سوچ سمجھ کر سستی نے روپٹھلے لئے۔ ساد تری نے محبت آئینہ میں کہا۔ بیٹا! بدلتا اور ٹھہر جاؤ۔ نہیں دیکھ کر ماں کو بہت تشنگی ہو جی ہے۔ پھر چلے جانا۔ پاگل ہے کیا۔ بیچے سینے سے کہیں کام چلتا ہے دیکھ ماں سے ابھی نہ کہنا۔ شاید وہ رٹنے لگیں۔ میں چپا ہواؤں۔ تب کہنا۔

شام ہونے پر گنگا نے ساد تری کو پاس بلا کر اس کے تشنگی باؤں کو تیل لگا کر انہیں بنا چاؤ۔ ساد تری کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس کی ماں نے قطرہ چاؤ انہیں پونچھ ڈالا۔ اور کہا ماں! آج رہنے دے اور کسی دن بنا دینا۔ گنگا کے مات کر دی سے جیسے ٹوٹے پڑتے تھے تاہم اس نے کہا بعد میں یہ بڑی جبارا لڑکھی۔ تو بے شکل سلجھ گئی۔

رات کا کام ختم ہونے پر گنگا نے پوچھا۔ ہر ی کہاں ہے؟
سہر بچا کے ہوئے سستی نے کہا۔ نوکری کی تلاش میں چاند پور گیا ہے؟
اسی لمحے تو بنید کہہ گیا۔

مستمر رونے لگو گی۔ اسی خوف سے تم نے نہیں کہا کہ ساد تری میں لوٹ آؤں گا۔ بغیر نوکری کے ہوئے کیسے گزارہ ہو گا! خرچ کے لئے دس روپے دے گیا ہے؟
گنگا کچھ دیر تک خاموش رہی۔ اس کے بعد ایک گہرا سانس لیکر وہ بڑا بڑا جھڑپا کر کے
شکھ ہو کر کہے۔ اب تک وہ ساد تری کے بننے سنوارنے کی کوشش کرتے لگی۔ آخر سستی سے کہا مجھے ساد تری کی بات تو ہی اس کے بال بنوے

ستی ساد تری کے بال سنوارنے لگی۔ ساد تری نے ہر چند انکار کیا مگر سستی جھڑک کر جھٹ پٹ
ستی نے اس کے بال بنوائے۔ گنگا اپنے بستر پر سو رہی۔ ماں کے سینے کے پاس سر رکھ کر
واہنا ہات اس کے سر پر رکھ کر ساد تری بھی سو رہی۔

رات بھینکنے لگی۔ سستی نے سستی کر لی تھی۔ چراغ بجھا کر کھڑکی کے پاس
اس کے لیے بے بال بندے ہوئے دو سواری کی طرح بلالہ طرف پھیل گئی۔ باہر وسمان پر

اسراؤ کی گھنٹھور گھنٹا میں چھ ماہ میں اس کے چہرے میں شگفتہ ہوئے تھے ایک ہی کہیں نظر آتا تو وہ روشنی کا کہیں نام نہان بھی نہ تھا۔ خاموش اور پرسکوت زمیں گویا اس کی طرح پناہ دے رہی تھی کسی کو نہ دیکھتا تھا۔ اس کے چہرے میں بھی سچ و غم کا غریب ڈر رہا تھا گویا جس کے وقت پھر گھر کر کھڑی ہو سکیگی۔

ستی نہیں سمجھ سکتی تھی میرے نازک، لی پر یہ پتھر کا سا بوجھ کیونکر بٹھاتا ہے۔ جب تک مصروف رہتی ہوں تب تک، سچی رہتی ہوں۔ لیکن جہاں فرصت ملی۔ پس ایک بوجھ جیسے ضرور ہوتا ہے۔ اس کے دن اس طرح گزر گئے کہ گویا یہ بوجھ سر سے کبھی نہ اترے گا۔ روئے کو بہت طبیعت چاہتی ہے مگر دیا نہیں جاتا۔

پھر اس کے مزین کی طرف دیکھ کر کہا کسی خوفناک تاریکی ہے کیا اس کی تمام نہیں ہے؟ آسمان کی طرف اس نے اپنی نگاہیں ڈالیں۔ دیکھا ایک تاریک جھلکا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگی کیا یہ میرے بابا ہیں۔ اوہ مرتے وقت مجھے بلا گئے ہیں۔ کیا اب بھی مجھے پکار رہے ہیں۔ سوچتے رہتی تھی اسے ایسا معلوم ہوا۔ گویا وہ تارافہ رفتہ اپنی دلفریب و منور آنکھوں کے اشارے سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

وہ تابعدار اس کی خوف سے کھڑکی بند کر دی۔ اور ماں کے پاس آکر لیٹ رہی سوچتے ہوئی جہاں اوپر کسی طرف دیکھ کر اور ان کی نگاہیں کایاں کر کے وہ بھڑائی ہوئی آواز سے بولی نہیں میں تمہیں جانا چاہتی ہوں؟

میں نے اپنے گھر گئے حرمیان میں اور بھی کئی مرتبہ آکر ہری کچھ روپے دے گیا۔ اس سے اور اپنی محنت کی کمائی سے۔ سستی ساوڑی کسی طرح گھر کا خرچ چلا رہی تھیں۔

ایک دو برس میں آج میں نہانے گئے۔ یہ وہ پہلے کی طرح نہی پہلے نہیں جاتی تھی۔ ساوڑی لگانے کو چھوڑا۔ اس وقت چھ برس ان کے گھر پہنچے۔ اس نے بھی لجاؤ۔ اس نے خط لکھا اور کہا کہ وہ اپنے گھر کی چوتھ لیٹے لیٹے اسے اس کے ہاتھ میں لے کر اپنے گھر آئی اور پھر گھر کے کمرے میں بیٹھ گئی۔ اس نے گھر کے کمرے میں بیٹھ گئی۔ اس نے گھر کے کمرے میں بیٹھ گئی۔

اس کی بی زندگی ہوئی ہے۔ موت پہاڑوں میں ہے۔ موتیں نہیں رہا۔ موتیں روشن کرنا۔ اس کے لئے
 گونا گونا گونے کے رنگوں کے طبعیت بہت خوش ہوئی۔ چند زمانے میں پتھر پتھر پر روشنی کے
 موسیٰ اب نہیں آئے۔ جانیکا کام نہیں ہے۔ اب یہاں رہی ایک مکان کا بڑا بڑا رہنا چاہئے
 موسیٰ کو نہ ہی آگئی۔ کچھ کے شہروں کو دیکھ کر اسے ہنسا نکلتا تھا۔ اُس کی ہنسی بھی بڑی
 ایک رنگ و روشنی کے موسیٰ اگر اپنا دلکش چھوڑ کر یہاں ہی رہنے کا انتظام کیا جائے تو کیا
 موسیٰ نے کہا کیوں؟

”دیکھو تو کیا اسٹارنگس کے گیس طرح لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور ان سے مر رہے ہیں
 پھر ہے ہیں۔ یہاں تو دھوڑا نا نہیں بڑے گا۔ مگر کس کو کس چیز کی کمی ہے۔ اور کس سے کیا
 سلوک کیا جائے۔ غلطی کسے کہتے ہیں۔ اور امارت کیا شے ہے؟“

”یہ سادہ سنی منہ کر رہی ہے۔ کہا باگل کہیں کا کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر جہوں کی کمی ہے۔ ا
 وہ کہاں ہیں! جو ہیں بھی اُن کی تشبیہ اُن کے ساتھ نہیں دی جاسکتی۔ ہمارے یہاں کچھ بھی
 وہ نہیں رہے۔ کچھ کوئی بھوکوں نہیں مر سکتا۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر اپنی ہی کاروں کے رام ٹکر دینا چاہیے کے گھر کی تکلیفوں کا تو خیال کرو؟
 ٹھیک ہے۔ مگر وہ لوگ ان جگہوں میں ہوتے۔ تو اب تک مر گئے ہوتے۔ موسیٰ ہنسا کہ یہاں
 وہ ایک عورت، دایرہ کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہاں تو بہت سے کام کئے جاسکتے ہیں۔
 موسیٰ نے ہنسا کر کہا کہ کونسا کام کیا جاسکتا ہے؟ رشتوں تو یہی کہہ دیا کہ اچھا ہوتا ہے
 و سونے سے نہ بچا کر لیا۔ شرم سے اُن کا منہ گردن سے لیکر ان کی جینس تک لٹک گیا۔ جو کچھ
 وارنٹ پر نہیں پسند نہیں کرتا۔ ”کیا یاد دہانی سے۔ جب کہ وہاں کی یاد دہانی کے لئے
 لگتا تھا۔ تب وہ ایک دم خاموش ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنے یہاں بہاؤں
 کے لئے آرام گاہ کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ تو اس کی تعمیر نہیں ہو سکی۔ بلکہ وہی کرنی پڑی تھی۔ انہوں
 نے اسے چاہا۔ یہ آپ کیسے لوگوں سے کہوں گا۔ کہ آؤ ہماری میں میرا حق کی تمام خدمات
 انجام دوں گا۔“ یہ سنا۔ یہ مجھ رہو کر انہوں نے اس وقت تعمیر کا کام مناسب نہ سمجھا۔
 ”مناجی کر رہی۔ اگر وہاں کے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہیں انہیں آسوں میں بھروسہ نہ آئے۔“

”تو میری زندگی بھر کا سب سے بڑا
”دو گنا چیز ہو سکے گا، ہے؟
”درمیں ہوں و شو“

اور ہوا ڈوب گیا۔ بیٹھو۔ پچھم سے کب آئے۔ اچھے تو رہے نہ!
اس طرح بہت دیر تک غپ شب ہوتی رہی۔ تمام گاؤں میں پوچھتے پوچھتے و شو بڑی
رات کو گھر آئے۔ موسیٰ بولنے لگیں۔ نہ معلوم کیا کیا کہتیں مگر لڑکے کو اندر لے کر بیٹھ گئیں۔ دیکھ کر
چپ ہو رہیں۔ دیکھتے ہی بولیں۔ اتنی دیر کہاں تھا؟
”ائیش کنجی کے ماں“

وہ لوگ اچھے ہیں؟ گاؤں کے اور سب لوگ اچھے ہیں۔ ٹولے محلے والوں کا کیا حال؟
”دیکھا رہی سب کے گھر کا حال۔ کیسے کہیں؟ اپنے رام شکندر بچا پیارا۔ اس عالم فانی
میں نہیں ہے۔“

موسیٰ کے دل میں بڑا دکھ ہوا۔ وہ چپ رہ گئیں۔ حسرت آمیز نظروں سے و شو کی طرف
دیکھ کر دل لیر لیر ہو گیا۔ پوچھا۔ ”اس کے بعد بار بار اُن کے منہ سے ”آہ آہ“
”ہی نکلتی تھی۔ تو اس پر پھر کچھ بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ ”یومر ماتا ہے وہ دُنیا کے تمام جھنجھٹوں
سے“۔ ”آہ آہ آہ آہ“۔ ”ہاں انکار سے نجات پا گیا“ و شو کچھ نہ بولے۔
رات بھر سوئے۔ ”کوئینڈ آئی۔ گنگا کا وہ شانت چہرہ رات بھر اُن کی آنکھوں کے آگے
ناچتا رہا۔ صبح وہ ندی نہانے گئیں۔ ندی پر اسدن بہت بھیڑ تھی۔ جس پر اتفاقاً۔ ”یومر“
بھٹا چاریرچی کی بھالاج بھی نہانے آئیں۔ انھیں۔ اُنھوں نے گنگا کی ہوتی آواز سے کہا۔
”ہم تو جھنجھٹ تھی۔ کہ اب بیش آؤ گی ہی نہیں۔“

آئی بیوں نہیں ہیں۔ ایک ہلکا آن پوزنانے اپنے پاس ہی سفید ساڑی پہنے ہوئے کھڑی
گنگا کو دیکھ کر کہہ پڑا۔ ”اگر تیرا منہ نظر کی تو دیکھا۔ ساد تری عوطہ لگا رہی ہے۔“ ”اگر تیرا منہ
ہوئی۔ کہ اُسے پایا کریں۔ جلدی جلدی نہانے لڑتے وقت اُنھوں نے۔“ ”اگر تیرا منہ
دیکھ کر کہہ پڑا۔ ”اگر تیرا منہ نظر کی تو دیکھا۔ ساد تری عوطہ لگا رہی ہے۔“

ہے۔ کیا یہ دہی سستی ہے۔ اُن پُورنا کاٹھ کی تُلی کی طرح ششدر کھڑی رہائی

ناتویں ترنگ (۹)

دو ٹواپے کے میں بیٹھ کر پہلے کی طرح کتابوں کا ڈھیر لگا کر انکی ورق گردانیاں کرتے۔ مگر اس مرتبہ ان کا جی نہیں لگتا۔ پیچھ میں جا کر ان دنوں سے جو اللہ کو کچھ تھی۔ اس کی یاد نہیں کسی طرح بھی نہیں بھولی۔ اس کتب خانہ میں جو دلکش تھی۔ وہ نہ معلوم کہاں چلی گئی۔ ان دنوں سے کو تھی اول سے یہاں جا کر انی زیر نگینی کام کرنے کی خواہش کی۔ مگر اس میں بھی جی نہ لگا۔ وہ جس دن اپنے طبیعت گندہ ہوئے۔ ان دنوں سے کچھ نہ ہو سکا۔ یہ کبھی امرائوں نے مل کر کچھ کر دیا۔ یہ باغ میں کبھی میدانوں میں اور کبھی یہاں سے کھیتوں کی سیر کیا رہیوں میں موزی مسافر دل کی طرح گھومنا کرتے تھے۔ اور نہیں تو کبھی موسی کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ ان پر نامور اور بزرگوں نے ان سے نہ معلوم کس موہ یا یا میں پڑ گئیں تھیں۔ اب ان کے ہونٹوں پر وہ ہلسی نہ رہی۔ اور ندول لگا کر بات چیت کرتی تھیں۔ دشو یہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کہ موسی کو کیا دکھ ہے؟ اسی لئے بڑے سکے اس جلتے ہوئے بہت جھجکتا تھا۔ ایک دن موسی نے صاف صاف کہہ دیا۔ بس تو بے فکر رہا جیسے تھی عمر کا ٹی ہے۔ اسی طرح غیر کا اتنی حوصلہ بھی گند جائیگا۔ جب نمودار سے دل میں آئے۔ یہ وقت شادی کرنا۔ اب میں کچھ اس بارہ میں کچھ نہ کہوں گی۔

دشوا فاموش رہ گئے۔ مگر انہوں نے دیکھا۔ آج کئی دن سے میں موسیٰ سے جو بات کہنا چاہتا ہوں۔ اُسے کہہ ڈالنے کے لئے یہ بہت اچھا موقع ہے۔ انہوں نے سوچا۔ موسیٰ اور کچھ گزینکیں مگر وہ نہ رہیں۔ سوچا۔ چاہتا ہوں کہ لے کر آج سے نونے نکالتے ہیں۔

شیراز: اکبر شونے کہا۔ موسیٰ! اے بزرگوں کا کچھ حال ملا ہے؟

یہی ہے نبی کا کام چھوڑ کر اللہ کی طرف سے دیکھ کر بولیں۔ کو سہ ماہی

”یہ تو میری زندگی کا گزرا ہوا ایک دن ہے۔“

کہ جن کے ساتھ ایسا بیچ ہو مار گیا۔ ان کا مصیبت و کھیر گزرتی

اور اس کے گھر جا کر ان کی حالت پوچھ آیا کرتا تھا۔

کی طرح زیب دے رہی ہے۔ پاروں طرف گو یا دشو کی پیاری لکشی کی لطف آمیز نظریں ہیں۔ صرف بہت دور پر ایک روکھے بالوں والی معنوم واداس لڑکی بڑا سا گھڑا لئے، اور اس کے بوجھ سے جھکتی ہوئی آہستہ آہستہ پہلی جا رہی ہے، یہ دیکھ کر دشو کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

لڑکی نزدیک آگئی۔ دشو چپ چاپ انگشت بدنداں رہ گئی۔ انہیں اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ یکایک بلانا تو درکنار شرم معلوم ہونے لگی۔ وہ کہنے لگے کہ ساد تری مجھے نہ دیکھتی تو اچھا تھا۔ ایسی حالت میں ساد تری انہیں دیکھ کر نہ لائے گی۔ یہ سوچ کر وہ دل میں خود ہی شرمندہ ہونے لگے۔ بائیں جانب پیل کے نیچے جوں ہی انکی نظر پڑی ویسے ہی ساد تری نے دشو کو دیکھا تھا۔ اضافے شرم و حجاب نے اس کے پاؤں وہیں زمین میں گاڑ دیئے۔ اس نے سوچا یہاں ہی ٹھہر جاؤں۔ مگر موقع نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ سر ہچکائے ہوئے قدم بڑھانے لگی، دشو نے سوچا۔ اگر میں اس وقت شرم و کلف سے کام لیں گے تو یہ موقع پھر بے فائدہ ہو گا۔ بہت داناہ کر آگے بڑھ کر پہلے ساد تری!

ساد تری نے دیکھا کہ ساد تری نے آگے بڑھ کر پہلے ساد تری!۔ دشو نے پکارا۔ ذرا کھڑی ہو۔ تم سے ایک بات کہنی ہے۔ یقیناً جاؤ!

ساد تری کھڑی ہو گئی۔ اور منہ پھیر کر ایک بار دشو کو دیکھ کر انہیں بھی کر کے لجا جتے ہیں۔ لہجہ میں بولی۔ کیا کہتے ہیں؟ دشو نے بھی شکل میں پڑنے لگی کہ اگر کہات چیت شروع کر دوں، تو اظہر کہ ساد تری کی طرف بڑھے اور حیرت انگیز لہجہ میں بولے۔ تمہارے بھائی بی بی آجکل گھر میں آتے ہیں نہ؟

کبھی کبھی آتے ہیں۔

آج کل وہ کوئی کام کرتے ہیں؟

حیرت انگیز لہجہ میں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ساد تری نے کہا کہ وہ

پہلی کوئی کام کرتے ہیں۔ انکی کاروبار

و شاید کرتے ہیں۔

ٹھیک نہیں کہہ سکتیں۔“

بچی نظریں کھٹے ہوئے سادتری نے کہا۔ ”نہیں۔“

بہت مشکل سے وشواور بھی شیریں لہجے میں بولے۔ گھر کا کام کاج انہیں سے چلتا ہے؟
سادتری چپ ہو رہی۔ دوشونے سمجھا۔ وہ حریف میں پڑ گئی ہے۔ تب انہوں نے مختلف انداز
شرم چھوڑ کر جلدی سے کہا۔ ”نہیں کچھ مجھے دوسرا خیال نہ کرو۔ اپنے خلع اور گانوں کے رہنے والوں
حال سب جانتا چاہتا ہوں اسی وجہ سے پوچھتا ہوں اس سے کچھ بڑا نہ مانتا کیا تم میرے پوچھنے
سے ناراض ہو گئیں۔“

ناچار ہو کر حسرت آمیز لہجے میں سادتری نے کہا نہیں۔

”تمہارے بھائی روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔ اس کے بغیر دنیا کا کام نہیں چلتا۔ میں سے کچھ جتنا
معاں کبھی کبھی دیتے ہیں؟“

”اسی سے سب خرچ چلا۔“ اس نے تکلیف تو نہیں بتوتی۔“

حیرت زدہ سادتری فوراً بول اُٹھی نہیں تھیں! اچھا تو ہے! اب چلتی ہوں؟

فراتھر جاؤ تم صاف صاف کچھ نہیں کہتیں۔ اس قدر تکلیف کیوں کرتی ہو؟ میں بھی تم لوگوں
کا بھائی ہوں۔۔۔۔۔ مجھ سے کہہ کر بیدار ہو جاؤ۔“

اس مرتبہ منہ اوپر اٹھا کر اپنی محمود اور بڑی بڑی آنکھوں سے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے
خضباتک لہجے میں سادتری بولی۔ کیا آپ یہ نہ سمجھ سکتے ہیں کہ سب کو مانتے پھرتے ہیں۔

جو مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ آپ کیا نہیں جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی کسی سے کہہ رہے ہیں
وشو بہت جھنجھٹے مگر چپ نہیں ہوئے بولے سب نہیں کہتے۔ پوچھنا چاہئے۔ اگر نہ

کوئی پوچھے تو اس سے کہنے میں کیا ہرج ہے؟

نہ تو نیکن کہنے سے غامدہ کہا ہے۔ میں راتی ہو رہی۔“

سنو سادتری اگوست تیرہ بجے نظر بند ہو گیا ہوں۔ تو بھی سچ جانتے ہیں تم لوگوں کہ اچھا نہیں
سمجھتا ہوں۔ نہیں سمجھتا ہوں کہ فراتھر کے ہاں یہ سب نہیں سمجھتے۔

اپنے آجی جی طرح بتا رہے ہیں کہ پوچھتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے۔ پوچھنا چاہئے۔ یہ کیا میں نے کوئی

نصرت میں سادری اگرچہ میں نہیں ہوں تاہم.....

ایک سادری دلی دلی میں کڑھ رہی تھی۔ اور حیرت و استعجاب میں بھی لیکن دشواری یہ دور رس تقریباً سکر وہ خیالات اس کے دل سے حرف غلط کی طرح اڑ گئے۔ اسے معلوم ہوا کہ شوخی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھرائے ہیں۔ شرمندہ اور رنجیدہ ہو کر حسرت آمیز لہجے میں سادری نے کہا: صاف کچھ آپ نے پوچھا کہ ہم لوگوں کو کیوں ٹھکے رہے کہ نہیں؟ سو سمجھ لیجئے کہ ہم لوگوں کو یہی طرح کی تکلیف نہیں۔ دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ جاتے ہیں۔

دن ہی دل میں اوداس ہو کر اچھوٹنی سنسکر دھونے کہا: "یہ تو جانتا ہوں۔ دن تو سب کے کٹتے ہیں۔ کسی کے سکھ سے کسی کے دکھ سے!"

وہ ہم دونوں بہنیں ملکر بہت سا کام کرتی ہیں۔ ماں سے اب کام نہیں ہوتا۔ وہ زیادہ تر بیمار رہتی ہیں۔ جیسے کچھ نہ کچھ دے ہی جاتے ہیں۔ اسی سے کام چلایا جاتا ہے۔ آج کل ہم لوگوں کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔"

دشوتے سمجھا کہ یہ سچ کی بات ہے۔ اس وجہ سے نہیں سمجھتی کہ دکھ کسے کہتے ہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر دے۔ بہت سے بھائی بھروسہ پر دے دیتے ہیں۔ وہ تم لوگ ملتی ہو۔ لیکن اگر میں نہیں رہتی چھوڑ دے۔ سمجھ کر کچھ دوں یا مہربانی ماں کی پاؤں پوجا میں کچھ بھیجتے کروں تو تم لوگ کچھ پرایا سمجھ کر اسے واپس تو نہ کر دے گی۔"

سادری اور بھی گھبرا اٹھی۔ "میں کتنی تجیرانہ انداز سے بولی! لیکن کچھ نہیں ہو سکتی۔" ماں یا جی جی جانیں!"

وہ آج اتنی بے وفائی کے چہرے میں ہر طرف سے بھیجتے چڑھنا۔"

یہ کہہ کر دھونے قریب آکر سادری کے پچھتے ہوئے آنکھوں میں دھند۔ یہ سادری نے ان کے بازو دیا۔ سادری نے گھبراہٹ کے لہجے میں کہا: "میں نہیں سمجھتی سے یہ سادری کو کاہل کر آپ کی بیوی انوشا میں ہے۔ تو ماں کو جان کر وہ آئیے۔ مجھے کیوں شکل میں ڈالتے ہیں۔ مجھ سے نہیں دیا جاتا۔ آپ خود ہی جان کر تو کہہ رہے تھے۔"

دشوتے فوراً ایک پیسٹ لگائے اور بے رحمی سے دیکھا۔ "ہم سب ہی جانتے ہیں۔ وہ مجھے بلاتا ہے۔ تب

ہوگی۔ اب دیر نہ کر واپسی جاؤ۔

صرف افسردہ ہو کر واپس آئے۔ وہاں سے پتھر اٹھوں نے گھر پر ہی جا کر دم لیا۔
دوسرے دن صبح ہی کسی کام سے موسیٰ کے قریب آنے پر اٹھوں نے دیکھا کہ سادتری
ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی ہے۔ پیاسے سے اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وشو کو
ایسا معلوم ہوا کہ سادتری انہیں سے کچھ کہنے آئی ہے۔ لیکن وہ کونسی بات ہے! شاید اپنا
کچھ دکھانا آئی ہوگی۔ اس کے سوا اور کون کام ہو سکتا ہے۔ خوشی سے بچو نہ ہو کر وشو اپنے
کمرے میں جا کر ان کے کاتھنا کر کے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ تھوڑے سے ہر سنگار
اور کندے پھول سے سادتری انہیں کے کمرے کی طرف آ رہی ہے۔ انہوں نے سمجھا۔ مجھے
پھولوں سے بڑا یہ بھیجیں۔ نے روز موسیٰ تھوڑے سے پھول میرے کمرے میں رکھ جایا کرتی
ہیں۔ آج خود انہیں سادتری کے ہاتھ انہوں نے پھول بھیج دیئے ہیں۔ موسیٰ کا یہ مثال
ان کے مطلب ہی کا ہو گیا۔ دروازے تک آئیں کمرے کے اندر آئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ
سوسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ آئیں کمرے میں بولے "اؤ سادتری اؤ" سادتری کمرے کے اندر چلی
گئی۔ وہ پھر ان کے کمرے میں آئی۔ ایک کتا سارے کمرے میں بھاگتا ہے۔
کی موسیٰ نے مجھے پھول دیکر آپ کے کمرے میں بھیجا ہے۔

"وہیں رکھ دو تم موسیٰ کو پھول ہی دینے آئی ہو۔ یا کچھ اور بھی کام ہے؟"

لڑکی کے زرد گلے پر وہ خرد لائی۔ "میرے چھٹا کر شرمیلی آواز سے بولی "ہاں ہے۔ خالی
کیونکہ آئی اس لئے تھوڑے سے پھول لے آئی ہوں؟"

یہ کہہ کر اس نے اپنے آپ سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا ایک پتھر لے کر اس کے پاس رکھ دیا۔
"وشو چمک پڑے آگے آکر مجھے یہ کیا سادتری؟"

"موسیٰ کا یہ پتھر ہے۔" وہ نے کہا ہے۔ کہ وہ لڑکی کو دیکھ کر خوش ہو رہی ہے۔
جو کہ لڑکی سے بھی زیادہ غریب ہیں۔ اگر آپ انہیں دیکھیں تو وہ بیچا ہے آپ کے پاس۔
تو یہ لڑکی بھی لڑکی ہے۔ ہم لڑکیوں کو ضرورت نہیں ہے؟"

لوگوں کے کاتے ہوئے سوت۔ سی اور پھل پھول سیکر دی بازو پیٹنے جاتی تھی۔ اور جوڑے ہٹتے تھے۔ اس میں سے چاول دال وغیرہ ضروری چیزیں خرید لاتی۔ وہ جو دیکھ کر دیکھتی تھی اس سے ان لوگوں کا دکھ بھی اس نے بانٹ لیا تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کی قسمی کا حال کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا۔

سر پر ایک بڑا سا ٹوکرا لٹے ہوئے جیسی گھر میں داخل ہوئی۔ اور سستی کو پکارا۔ اس کی آواز سننے ہی کافی دوڑا ہوا باہر آیا۔ اور کہنے لگا جی مٹھائی! لائی ہوں بھیا اتھاری مٹھائی لائے بغیر میں کیسے رہتی یہ یوہ کہہ کر اس نے مٹھائی لوٹ کے بات میں دیدی۔ روکا ہنسا۔ اب یہ گھر کے اندر چلا گیا۔ مٹی آکر وہیں کھڑی ہوئی۔ سر پر سے ٹوکرا اتار کر جیسی نے کہا۔ سر دی کے مارے میں ٹھٹھ گئی۔ گھر میں آگ ہے؟ وہ نہیں۔

وقت بھاگتا چلا گیا۔ سادتری کہاں ہے؟ سادتری چراغ لاری! سادتری! سادتری! سادتری! تیل لائی ہو۔ اور تو چراغ جلا دوں! یہی امیری بری حالت ہے۔ مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ اس لئے رات ہو گئی۔ اسے ہاتھ کیا یہاں نزدیک ہے۔ تم لوگوں کی ابھی نئی آنکھیں ہیں مجھے تو اس وقت اندھیرے کی وجہ سے سوچ نہیں پڑا۔ اچھا ابھی تیل کی شیشی انار پیسے کا تیل دیکھو تو کتنا ساد پیتے۔ یہ راج کیا بننے کے لائق ہے؟ یہی چاہیے۔ یہ تیل بنگا۔ تمام چیزیں بکا کر۔ جو مال بے ٹکے میرے جو ٹکے میرے ہاتھ میں ہے۔

ستی نے پوچھا۔ تھالی کا کتنا دم ملا؟ جیسی کی آنکھیں بھراؤں۔ رات آئینہ لپچے میں بولی۔ اس کے اتارنے کے لئے نہ تھی کہ کر کے ایک سوچ بھی نہیں لیتا تھا۔ غریبیتے وقت اسی سے۔ دن رپا۔ وہی کھانا۔ تو تھیرے میں نہیں رہتا۔

اسے قسمی دیتے ہوئے سوچتے کہ اب ہوا۔ پھر ان چیزیں ہر مال ہوتا ہے۔ جو کتنا ہے۔

میں ایک روپیہ سے کہہ لیتے ہاں تو نہیں میں آٹھ آنے بچو کے کپڑے میں لے۔ باقی
آدم میں چاول۔ والی نمک وغیرہ لائی ہوں۔ اس قدر پیسے ہی نہ تھے کہ تھوڑا سن خرید لاتی اُس
مرتبہ بھی رشتی چچا کو آتھ آتھ آتھ پاس نہ تھو۔ جس سے چاول خرید لیا تھا۔ سن نہیں خرید سکتی تھی۔
اس مرتبہ بھی وہی ہوا۔ ماں! تو سن اور روٹی کیسے آئیں گے۔ اگر بستی کے برتن بھاٹنے کیا
اسی طرح چلے جائینگے؟

برتن بھاٹنے اسے اسے یہ کہیں؟ جو ایک دو ہیں وہ بھی نہ رہیں۔ گھر کے کچھ کچھ چھوڑ
چلیگا؟ معلوم نہیں کیا سنو؟

سادتری نے تمام چیزیں اٹھ کر گھر کے اندر رکھ لیں۔ اور اندر سے دوپکے ہونے کیلئے لائی
اور چھبھی کے مات میں رکھ کر لائی۔ گھر کے کچے کیلئے میں۔ کھانے کو دیکھو کیسے ہیں؟

چھبھی شرا کر بولی۔ رشتہ جسے اپنے ہاں رہا نہیں کھائے رہنے سے۔ ہاں یہ سن بچہ گھر
کے ہاں چیزوں سے غنا ہو گیا۔ اس لئے اب یہ سب چیزیں اُن کی غذا ہو رہی ہیں۔ کیا کیا چائے
ہو نہیں؟ اور تو بولی۔ اور بھی کیسے ہیں بستی نے بہت اصرار کیا چھبھی کے۔ کہ اب کی بار
لے۔ اور تھوڑی سی ہانگہ لے کر چلی گئی۔

دوسرے دن صبح کالی اپنے گھر کے سامنے لڑکتے ہوئے چھبھی کے گھر آیا۔ اور
معلوم چائے لگا کر چھبھی کے گھر لے گیا۔

سادتری رقت آئیز لہجے میں بولی۔ وہاں تو ہے نہیں بستی بولی۔ کالی! اشور نہ کریں
کچھڑی پکا دیتی ہوں۔

کھانا کھاتے وقت ہلدی سے رنگا ہوا دیکھ کر پہلے آواز دے کر کہ میں آ گیا ہوں
سمجھ گیا۔ تب پھینک چکا کہ رو نہ لگا۔ اور شور مچانے لگا۔ یہ دیکھ کر سستی بولی۔
اے۔ مٹھنہ کھسک گئی۔ اور گنگا پینے شہر سے سو نہ لگی۔ چھبھی پر آکھل سے منہ چھپ کر سو رہی
عمر سن سادتری۔ پینے شہر پر بھائی کو منہ لے اور پھسک لے لگی۔ مگر نہ لگی۔ نہ تھوڑا سا بڑی
نہ ترسک۔ نہ دھوکہ نہ خرد نہ سو گیا۔ کہیں جہانگیر پر نہ پھر نہ لگا۔ اس لئے جسے کسی نے اُٹھایا
اس نے نصیب بستی بنایا۔ کہ آگئی۔ سادتری۔ مٹھنہ پر نہ پھا ہوا۔ آگ بھائی تو آ کر ترکاری

تو ایسے بڑا دکھ ہو گا۔

ستی نے دیکھ لکھا اُسے اب بھی نہیں بھولی ہے اس سے اُسے کچھ ہنسی آگئی۔ مگر اگر نہیں کہے کہ یہ ہنسی دُکھ کی بھی یا لُٹکھ کی دودھ پیر میں جانے سے بہت دیر تک بیٹھنا پڑیگا۔ اور کام میں بھی ہرج بوج اس نے سستی نے اپنی ماں سے کہا۔ میں کلاس سے اسی وقت جا کر ملنا چاہتی ہوں۔

ہاں نے کہا اچھا بھائی آ!

مئی کے دیکھتے ہی کھلا پہلے کی طرح اُس کے گلے لپٹ لئی اور حسرت آمیز لہجے میں بولی سنتی
 پیاری سکھی! انور مجھے بھول تو نہیں لئی۔ کبھی کیسی یاد تو زخمی ہے؟

مستی اس کی طرف دیکھ کر چنک پڑی کیا یہ وہ تھا کہ آج سے دو سال پہلے حیرت انگیز طور پر
 سے گھٹن کی طرف چمک رہا تھا۔ وہ آج اس قدر دلچسپی اور بصیرت ہو گئی ہے کہ اس کی ہر بات
 مستی نے کہا: کھلا! تو ایسی کیوں ہو گئی! ہجو تھی۔

تو ترابا بهی نهس دیگا راجہ فرزند بھگت پطرس کی بیوی سے ۱۱

..... کہ تو نے انھیں شادی کے بعد بھرا

کبھی نہیں دیکھتا کہ تیرے لئے کیا ہے۔ اب تو نہ دیکھنے کے برابر ہے!

بات کاٹ کر ستر پر لیٹا۔ اسے چھڑو دے۔ تجھے کراہو گیا رہے۔ اسے شرم سے سر جھکیں گے

میں وہ ہنسی نہیں دیکھتی!

وہ تو میری ہی اہلیہ تھی۔

وہی ہے جو اب بھی ہے۔ مگر تیرا لباس دیکھ کر میرے دل پر ایک ناقابل بیان چوٹ سن لگتی ہے۔

[illegible]

عبدالرحمن بن عبدالمطلب

اس کے علاوہ اب میں جاؤں یا آؤں۔ اب میرے آنے جانے میں روک ٹوک کر نوا لا کون ہے!

”کیوں! اور تیرا شوہر؟“

کھلا کچھ ہنسنے لگی۔ وہ ہنس سیک کر بہتے تقریب معلوم ہوئی۔ پھر کھلانے ہنس کر کہا: ”شوہر میں ان کی کون ہوں۔ جو وہ مجھے روکنے اور میرے تشریف آگے نہیں آتے۔ اور عورت تو پھول کی مانند ہے جہاں ہوا سے ہلکتی ہے۔ تم لوگ یہ کیا کہتے ہو؟“

سستی سر نہ جانے چہ چاہا بیٹھ گئی۔ کھلا کہتی گئی: ”میں نہیں جانتی یہ کس طرح کی بات ہے۔ لیکن ایہ جملہ بڑے بھاری ہے اس وقت میرا شوہر میرے پاس ہے۔ صرف عین میں ہی اٹھانے کے لئے ایسے عورتوں کو بنایا ہے۔ جس کے عورتوں کے لئے نہیں رکھیں!“

سستی کو وہ دن یاد آگیا۔ اس کی یاد سے اس کے رازہ پر ہنس کر کہا: ”میں نے یہ سنا ہے کہ شوہر کی سستی۔ اتنے میں زمیندار کھولے پر سوار اسی طرف سے جاتے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ ہنس کر کہتی تھیں: ”اے شوہر! اسی طرف سے جاتے تھے۔ اور اس سے سوچا کہ شوہر کی سستی کے لئے چاہا گیا۔ کچھ بڑے اور بڑے شوہر نے سستی کو ایسے ہی اب میں جاتی ہوں!“

”خدا اور بیٹھو۔ پھر یہ معلوم کب ملاقات ہوگی؟“

سستی کانپ اٹھی۔ ہوائی ایسی محسوس ہوتی کہ کبھی نہ آئے گی۔

کھلا ہنس کر بولی: ”یہ شوہر ہی کہتی ہوں کہ میں مر جاؤں گی۔ میری ویسی قسمت کہاں؟ ابھی آکر دیکھتی ہوں کہ تیرے باپ نہیں مجھے تو بیوی ہو گئی۔ اور آئندہ اگر تم ملے کہ کیا ہوگا؟“

سستی مسکرائی۔ ”نہ تو بڑا بڑا شوہر ہوگا۔ نہ تو بڑا بڑا شوہر ہوگا۔ نہ تو بڑا بڑا شوہر ہوگا۔ نہ تو بڑا بڑا شوہر ہوگا۔“

جانب بخشی باؤ کا ہاتھ تھا۔ انھیں طرف بنواری تھی جو ہم سما کی طرادت بخش ہوا عورتوں کے سایہ میں ہی گزرا اور یہ وہ شوہر تھا جس کی سستی ابھی ہو کر سر نہ جانے چلی جا رہی تھی۔ میں اس وقت کوئی ٹھٹھکا کر کھڑا ہو گیا۔ شوہر کی سستی کہ بولتا کہ سستی!

سستی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شوہر سے سستی نے کہا: ”میں نے سستی کو دیکھا ہے۔ شوہر نے سستی کو دیکھا ہے۔ شوہر نے سستی کو دیکھا ہے۔ شوہر نے سستی کو دیکھا ہے۔“

مسترت ہمیز لہجے میں بولہ مستی میں کہتا ہوں اگر میں تم سے کچھ کہوں تو کوئی ہرج مرج نہیں ہے
 اُس نے پچھلے جواب نہیں ملے شرم، خوف اور اسی طرح کے مختلف خیالات پر کہ بات چالیں گے
 میں پچھلے جواب نے دوش پھر بولے بہن کے ساتھ بات چیت کرنے میں تو کوئی ہرج مرج نہیں ہے
 مستی بڑھی کل سے جلدی کے ساتھ بولی کہ کہہ دے گا ہمارے کہنے

دشمن شرت آمیز لہجہ میں بولے "تمہاری ماں کی سیوا میں کچھ عیب نہ ہے۔"

”حضرت بنہیں تھی۔ اس وجہ سے واپس کر دی۔“

”حضرت ہویا نہ ہو مگر مستی اگر کوئی خلوص نیت یا حسن عقیقت سے کوئی چیز پیش کرے تو اسے کیا واپس کر دینا چاہئے؟“

مستی میں، شہر بڑی جھلینے کے قابل نہ رہا۔ کچھ عیسائی، کچھ نکر ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں رہتی۔ اور جہاں تک مسیحیوں کا تعلق ہے۔ ایسے لوگ رہے کہ پاس توپ اس تھوکر بڑھ چکے تھے۔ یہ لوگ، یہ غریب، یہ مسکین، یہ غریب، یہ ہم لوگ غریب ہیں مگر جب تک خود اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں تب تک وہ مسکین کی دہائی ہوئی جب تک کہ کسی نہ بینے!

[illegible]

اس کے بعد کچھ دور اس کے گھر کو پہنچ کر اس نے اپنے گھر کو دیکھا اور کہا کہ یہ گھر جو میں نے
 پہلے سے معلوم ہوا ہے۔ یہ کچھ دور اس کے گھر سے ہے۔ اس کے گھر کے آگے اس کے گھر کے آگے اس کے گھر کے آگے

کہتی ہوں کہ جسے پتہ نہ چلا، ان پر گندہ نہ کیجئے پرسوں بھٹا آئے تھے معلوم ہوتا ہے وہ بڑا کام کرتے ہیں۔ آپ دعا دے دیجئے کہ وہ سدا ہر جائیں۔ پھر ہم لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ میں پچھتے دل سے دعا دیتا ہوں کہ وہ ہر جگہ بیچ بکھڑے ہوں۔ یہ سب سنا کر وہ بڑا خوش ہوئے۔ مگر وہ خیالات اب جلتے رہے۔ یقیناً اب تم اپنے دل میں کوئی کدورت نہ بکھوٹی، سستی بولی نہیں

گیا رھویں ترنگ

ماگھ کا مہینہ تو گنگا نے کسی نہ کسی طرح مہینے جیتے کاٹ لیا۔ لیکن پھاگن لگتے ہیں۔ پھر چاروں مہینوں سے رفاقت کرنی پڑی بہتر دوست بن گئیں۔ ایک تو بیمار دوسرے کڑا لکے کی سردی وہ برداشت نہ کر سکیں۔ اس کی یہ خبر سن کر گنگا نے ایک کدستی کی انگٹوں کے آگے اندھیرا چھایا۔ انگٹوں کے گھر میں علاج کیسے بنانا۔ تاہم کوئی ہی نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر نے فیس اور دوا لے کر دھڑک دھڑک کر چلے گئے۔ گنگا نے کوئی شش کر کے جو کچھ ضروری اہلست جمع پونجی اکٹھا کی تھی۔ وہ سب دھڑک دھڑک کر چلے گئے۔ باقی رہا تو کوئی شش کر کے ققیہ اگر اچھا ہوا ہو گا۔ تو نہیں۔ نہ پونجی تھی۔ نہ دوا تھی۔ (ایسی حالت میں تم لوگ اس قدر کیوں خرچ کرتی ہو۔ موقع موقع پر وہ اپنے گھر کا حال پوچھتی تھیں۔ اور کسی کو تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ یہ جانتا چاہتی تھیں۔ سستی کہتی تھی۔ میں تم اس قدر فکر نہ کرو۔ اگر ایسا کر دو گی تو مرض اور جڑھ پکڑنا چاہیے گا۔ جس طرح آجنگ دن کے میں دیکھتے ہیں۔ مجھے ہر کارٹل پر ہاتھ پڑتا ہے۔ آجائینگے۔ اور فکر نہ رہے ہو جائینگے۔ اب وہ ایک دن کچھ نکلیں۔ اور ان سو میں بددشتی نہ کر لوں گی۔ یہ سنا کر وہ بھی میرے آنگنے نہ کیا۔ تب میری کے پاس نہیں چھو۔ وہ خبر بھیجتے ہیں۔ میں جواب دیتی ہوں۔)

سستی نے اس سے یہ نہیں کہا کہ کب تک دلی کو اس سہری کے پاس بھیجنا۔ اس سے یہی نہ گالی دیکر لڑا دیا۔ اس کی حالت دن دن تراب ہوتی جاتی ہے۔ وہ کوڑھ ہوا جانتے۔ تو بھی اس سے کہنے سے باز آ کر کہہ دیتا ہے۔ جو کہ یہ لڑائی کہہ جاتا ہے۔ کہہ کر بھڑک اٹھتا ہے۔ اس کے پاس نہ جاتا۔ نہ کہنے کا موقع ملتا۔ نہ کہنے کا موقع ملتا۔

بہائی کو دیکھ کر ہوا۔ اس کا دل بڑھ گیا۔ تالی میں رکھ کر کھلتے کھلتے باہر چلا گیا۔ سستی نے اس سے پوچھا
 "ہاں تمہیں بھوک لگی ہے؟"

"نہیں کیوں ضرور لگی ہے۔ اٹھو منہ بات دھو کر کپڑے بدل کر کچھ کھا لو۔"
 لنگھانے ایک بار لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھ کر نرم ہجے میں کہا "تیری اس تو کسی طرح
 زندہ رہو گی۔ یہ سوختے باہر آسانی۔ میں نہیں چھلیگی۔ لیکن میرے سامنے کالی اور تم بھوکوں نہ مرنے۔ میں
 بغیر کچھ نہ کھاؤں۔ اندر رہ سکتی ہوں۔"

اس کی بات سنی اس نے سستی نے انہیں بات منہ دھو کر کپڑے بدلوا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔
 جیٹھانی جی گائے کا دودھ دوہ کر بیک جھک کرتی ہوئی منہ نہ چاڑھ گئیں سستی نے پہلے سے جرات کر کے
 آج گھیر لیا۔ باہر نہ جاؤں گی۔ لیکن ماں کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑا۔ اس نے سوچا جب تک دودھ ہے
 تب تک اسے بھوک نہ ہو۔ میرے کپڑے اس سے کہا۔ تو ذرا آگ جلا میں نہا آؤں۔

کھانے پینے کی فکر سے جب کچھ آواز ہی ہوئی تب وہ اور اور باتیں سوچنے لگی۔ مگر معلوم ہوا
 کہ اسے کچھ نہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کی قسمت میں بھوک ہی نہیں تھی۔ ایک ایک کھانے
 تار پور کی کوٹھی کے منیم جی نے تین سو روپیہ اصل اور اس کے سو کا تھنا بنا بیچوا۔ اور کہلا دیا کہ اگر
 روپیہ جلدی نہ بھیجا گیا۔ تو مکان نیلام کر دیا جائیگا۔

اس دن لنگھانے سے بستر چھوڑ کر اٹھا انہیں جوتا تھا۔ مگر لنگھانے کا دل ایسا کہ لنگھانے کی لنگھانے یہ
 سوچ کر وہ اٹھی اور دوچار لقمے کھا کر سو رہی۔ تفکرات اور انہی والی مصیبتوں کے خوف سے اسے ہار
 دیکر غار آ گیا۔ سادہ تری تو منہ اس کے ہاتھ کے پاس مٹی رہی۔ مگر سستی سے بیٹھا گیا۔ اس نے
 ایک ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے میں چاکر مرانا بن کر لیا۔ مگر کڑھونے کے لئے؟.....

نہیں وہ سوچنے لگی۔ کہ تمام مصیبتیں کیوں آ رہی ہیں۔ کیونکہ کیٹ کیلئے اب نہیں صرف میوے
 لے کر کس سے جا کر کھوں۔ مگر اس نے سوچا کہ اگرچہ سو روپیہ دیکر نہ دے۔ کیا ایسا کوئی دردمن ہے
 جسے اسے دے۔ اس نے سوچا کہ اگرچہ سو روپیہ دے۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔
 ہی کیا ہے۔ مگر وہ دینی ہوگی تو وہ خود ہی دے گا۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔ لیکن اسے دے۔

ستون دروازے پر آؤں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ زینہ نے دیکھا کہ اس کے دو زینے زینے ہو کر بیٹھے
 حوصلہ آئینہ بوی میں بولا۔ مجھے ہری سے تم لوگوں کا حال پتا رہتا ہے۔ جہنم سے میں نے تمہیں دیکھا ہے
 اُس زینہ سے تمہارا نام میری زبان پر رہتا ہے۔ جہنم کا کچھ اور وقت تمہارا نام جیتا ہوں۔ اگر تم میری
 بغاوت قبول کرو تو زینہ جہنم کا ایک اور دروازہ بن جائیگا۔ تب تو اس کے زینے پر بیٹھ کر زینہ سے میں بھی
 جینے کے لئے تیار ہوں گا۔

سستی لڑکھارے بولی پڑے۔ تم یہاں سے جاؤ۔۔۔۔۔ جلدی چلے جاؤ۔ ورنہ میں پانی میں ڈوب کر مر گئی
 اچھا تو میں چلتا ہوں۔ کیا کل بچہ اس وقت آؤں گا بڑے زور کی آندھی بڑی آواز سے۔ جاؤ گھر چلو
 جاؤ۔ سستی بولی پہلے تم چلے جاؤ۔ تب میں پانی سے باہر نکلوں گی۔

کیوں امیں کیا سانپ ہوں۔ جو پاس آنے سے ڈس لوں گا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔
 فریاد نہ کرنا۔ یہ سستی تھر تھر کا ہوتا ہے۔ زینہ نے کہا۔ کہ گویا انسان
 کا سب کچھ متناہس کر دینا ہی عہدہ سمندر بلا اسے اپنے جال میں پھنسانے آئی ہے۔ یہ کیا جال کہ سستی
 اس کی مدد ملے گی کہ اس کے گویا اس کے آگے پیچھے کالے کالے بھوتوں کا ایک گروہ محو قفس ہے اسی
 وجہ سے یہ سستی تو جہنم کا ایک اور دروازہ ہے۔

یہ ایک اس نے کہا۔ اس کے پاس طرف دیکھا کہ کوئی دوڑتا ہوا اجالہ پتلا لگا ہوا ہے۔ کہہ کر گیا۔
 اس کی نظر پستی کی طرف تھم رہی تھی۔ پہچان لیا۔ کہ وہ شوہر ہے۔ اس نے سمجھا کہ وہ شوہر زینہ کو
 قفس سے نکالنے کے لئے زور دیکھ لیا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک سیڑھی تھی۔ اس میں ڈوب کر مرد کوئی
 بچانے تھا۔ تاہم یہ سستی گروہ میں کہہ کر کہہ کر انہوں سے ہونٹ کاٹ کر گھر چلی گئی۔

اب اس کے بدن میں غصہ نہیں تھا۔ اس کا دل اب بھی اچھا تھا۔ اس نے کہا۔
 نے کہا۔ جہنم میں سستی کے لئے یہ سستی ہے۔

وہیں کہہ کر وہ چلی گئی۔
 وہ کپڑے جھگے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ تو نے نہ دیکھا ہے۔

وہاں
 کہہ کر وہ چلی گئی۔

و شو کی موسیٰ کو دے آ!

آم دیکر واپسی میں ساد تری نے کہا۔۔۔ ماں اورو گنگا مشن میں کرکے سٹ جائیگی کہتی تھیں کہ اگر تمہاری ماں کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں تمہاری ماں یا بہن کو اپنے ساتھ لے جاؤ گی۔ ماں وہ مہری بہت آدمی نظر کرتی ہیں۔ اور بڑے پیار سے بولتی ہیں۔ مجھے تو بڑی شرم لگتی ہے۔

گنگا چپ ہو گئی۔ سستی نے بھریں سکڑ لیں۔

بارہویں نمبر (۱۴)

بہت دنوں سے دشمنی کو کٹھی والوں کے مابین کا یہ زہر نہ بکریا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی
ان لوگوں سے ان کے خیالات نہ ملتے تھے۔ کوٹھی کی شرکت جھجھک کر انھیں اپنے غلہ کی تجارت کر لی
تھی۔ اور بہت سی مائدہ اخذ کردہ اپنا کاروبار اور بھی بڑھایا تھا۔ اس کے سوا انھوں نے اپنے
ڈاکٹر کی طرف سے کئی اچھے اچھے برائے کام کر کے اپنے گاؤں میں آباد کیا تھا۔ اور ان سے کپڑے
جو ان کے گھٹنے بھیدیا کرتے تھے۔ وہ ان کے ایک نہایت شاندار دوکان کھول دی تھی۔ جو پچھلے زمانہ
سے چلتی تھی۔ انہیں کاروبار میں نہایت شہرت تھی۔ اس طرف سے یہ کہنے کے لئے کہ ان کے یہاں وہ بہت
تھے۔ کیونکہ بغیر روپیہ کے کچھ نہ بکرا رہا۔ اس کے لوگوں کو وہ دیکھ کر سو سکیں گی۔

گاہ میں بہت سے لوگ منسل تھے۔ مگر بغیر لگے ہوئے انہیں کچھ دینے کی جرأت نہ دیتی تھی۔
 سنی نے سب سے پہلے ایک تجربہ اچھی طرح سے کر دیا تھا۔ اس نے اب اُنکی باتوں کو کانٹوں والوں کی طرف بھی
 وہ اپنے کاروبار اور نئی نئی باتوں کے کی اُدھیڑ لگ رہے تھے۔

دشمنوں کو گنگا خان کے پانچ دیوے اور تین شہزادوں کی بیویاں بھی لے کر واپس آئے۔

دشمن کی ہر گھمبیر حرکت سے مجھ کو خبر کی طرف کی جا رہی ہے۔ پوچھا کیوں؟
 میری زندگی اس قدر ہی تھوڑی ہے کہ میں اس کو بیکار نہ کر سکوں۔ یہ کہہ کر وہ بولے کہ
 دشمن کے ہر حرکت سے تم کو خبر کی طرف کی جا رہی ہے۔

تاریت کر نہ کیسے میں کسی کے کچھ بھی نہیں کہے جاتی ہوں۔ آپ میرے کچھ دیکھ کے کوئی ایسے دے
بھی نہیں کہ آپ سے یہ بات کہے بغیر کام نہیں چلنا۔ دنیا کے روبرو میں تو قصور وار لازم ہی ہو کر چلی کیوں
آپ سے یہ سب باتیں کہے بغیر میں یہاں سے نہ جاسکی۔ کیوں؟ اس کا سبب میں نہیں سمجھ سکی۔

پانچ دہائی ہوئے جس دن آنحضرت آئی تھی۔ اس دن تیسرے پہر تالاب کا۔ تہہ پہن کر
اس دن جسے آپ نے جلتے ہوئے دیکھا تھا وہ پانی کا زمیندار نریندر ناتھ تھا۔ اور تالاب کے
پانی میں جو حورت بیٹھی ہوئی تھی میں تھی۔

یہ تو آپ ضرور سمجھ گئے ہونگے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس دن
جیسا موقع کیوں ہوا تھا۔ جس طرح اور لوگ اس قسم کا نظارہ دیکھ کر جیسا نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں وہی
آپ نے کیا ہو گا۔ مگر کیا آپ نے غور کیا ہے۔ کہ ایک شریف لکھنؤ کی لڑکی کیسے یہ کام ممکن ہے۔ یا نہیں؟
ہیں یہ خط انہی مہمانوں پر ہے۔ یہ لکھنؤ میں ہے۔ یہ لکھنؤ میں ہے۔ یہ لکھنؤ میں ہے۔ یہ لکھنؤ میں ہے۔
الحقیقت میں اس پانی کے کچھ پھندے میں پھنس گئی ہوں۔ اب تجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں
اس دھام سے اپنے کو بچا سکوں۔ لیکن سنئے۔ یہ کیسے ہوا؟ اس نے جو کچھ چاہا میں نے اس سے
بھی کہیں مبرا وہ اسے دینے کا اندازہ کیا ہے۔ اس نے تو صرف میرے جسم کی خواہش کی تھی۔ مگر میں نے
اپنے لئے کیا کیا ہے۔ یہ بہت ہوتا تو میرا ایک جنم لایا کہ تالاب کے کنارے میں رہنے میں اسے
کے وہاں کے سپروں پر اپنا جنم جتنا ترسور لوگ پر لوگ سب کچھ دان کر دیا ہے۔ تب کیسے
کہا جاسکتا ہے کہ میں نے اس کی امداد بطور احسان قبول کی۔

اب وہ صاف صاف کھولی کر کہتی ہوں۔ وہ مجھے بہت روبرو دینا چاہتا تھا۔ اس نے جس وقت سے دیکھا
تھا۔ اس کے بعد یہ وہی چیز ہے۔ یہ وہی چیز ہے۔ یہ وہی چیز ہے۔ یہ وہی چیز ہے۔ یہ وہی چیز ہے۔
دن کے اندر مکان چھوڑ کر بیٹھ جانا تو گوارا اس دن۔ وہ پہر میں وہ مجھے یہ میرے سپروں پر
ہزار روپے کے نوٹ رکھ دیتے۔ اور میں نے وہ لے لئے۔ آج ماہی کے گٹا پڑ گیا ہے۔ یہ
اس کے ساتھ یہ لگاؤ۔ یہی طے پایا ہے۔ سو میں طے۔ آج ضرور ہی طے پائے گا۔
..... لیکن اس کے پاس نہیں..... اور یہی ایک شخص کے پاس!.....
نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ یہ کون ہے۔ یہ کون ہے۔ یہ کون ہے۔ یہ کون ہے۔ یہ کون ہے۔

جو یہ ہیں انہیں کے ہاتھوں سے سزا پاؤں گی۔ دنیاوی لوگوں کے ہاتھوں سے نہیں آج اگر پانی زبرد
بچھے اس بلا میں نہ بچھنسا آ۔ اس طرح ترکے دروازے تک گھسٹ کر نہ لجا تا میں جس وقت دنیا کے
دکھوں اور چوڑوں سے محفوظ رہوں گا۔ اگر یہ تو میرا کیا ہے؟ کیا مجھے کچھ غریب کا مدد
ہو تا؟..... نہیں کبھی نہیں!

کل مہرے بہانی بہن اور ماں..... سب بغیر مکان کے راستہ کے فقیر ہو جاتے۔
لوگوں کے ٹھنے تشنہ تھے۔ یا بھوکوں مر جاتے..... بھلا یہ دیکھو مجھ سے کیونکر کچھ جاتا ہے؟ وہ
مایا کے سامنے ہیں ان لوگوں کو کیونکر بھول جاتی؟ اور اس بلایک کیسے کہتے ہیں؟ سزاوارتہ ہو
دیکھ پانی بے گئی۔ کیا اسی خوف میں خود کشی کرے؟ باز رہوں دیکھو کہ تو میں اپنا جگہ کا سنا
جانتی ہوں۔ وہ تکلیف کیا اس سے بھی زیادہ سخت ہوگی۔ اگر ہو بھی تو اس سے میں نہیں ٹوسکتی
لوگ میرا دم نہ کیسے جلائے اس سے کیا؟ میرے بہانی بہن ماں۔ یہ تو کل سے سکھی ہو جائیں گے
انہیں کچھ دن تو سکھ سے کٹ رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد ممکن ہے کہ بھگوان انہیں دیا ہو بھی تو
جائیں۔ یہ نہیں نے حقیر طرح سمجھ لیا ہے۔ کہ میں جگہ کی جو بات مانس کرنے کے لائق نہیں جس
اس لئے حقیر سے بہت دن بعد اس کے کہنے سے کیا سے رخصت ہونی ہوں بھولی
بھالی سا حقیر کو میں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ یہ روپیہ میں نے کہیں پڑا پایا ہے۔ اور اس کے لینے
میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ وہ میری بات کو لفظ بلفظ سچ جانتی ہے۔ اس لئے وہ ایسا ہی سمجھ گئی
ہے اور سر پر آئی ہوئی مصیبت سے بے خبر ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسرت آمیز
مشکل کراہٹ چھائی ہے۔ میں نے اسے بہت دنوں سے اس قدر خوش نہیں دیکھا۔ وہ بچاری
نہیں جانتی کہ یہ روپیہ اس کے لئے کیا ہے؟ یہ ایشوریا کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے
تم کو کہہ کہ اس بیک آئی بہن مصیبت کی شہر کیڑہ نہ دے۔ یہ بات تم کہہ سکتے کیونکہ تم
بہت نیک۔ یہ اتنا ہو تم کوئی باہر ہم جیسے بیکسوں کی مدد کرنے سے بہتر نہ ہوگی۔ مگر
اپنے اور ہمتی کے لئے۔ یہ بہت ہی کم ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے
بہت زیادہ۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔ یہ اس کے لئے ہے۔

میں بہت باتیں کہنا چاہتی تھی..... کہیں بھی بہت سے باتیں..... مگر ابھی اور کچھ

انتہا نہیں سکتا۔ نہ کہ رے میں نہ جن میں خود داری اور عروا اس قدر ہے۔ ان کی بھی نہ سہاٹی
 چاہئے۔ ہم لوگ ہمسایہ تھے کبھی تو ان لوگوں نے ہم سے کچھ نہیں کہا کیا کچھ کہنا نہیں چاہئے تاکہ
 عریض کا تہہ بڑا رخ اور نوک دیکھ کر ایک شخص نے کہا "کیوں بابو ہم لوگوں کے استیبار کیا
 اور بھلے ماش بھی اپنی دم کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ ہیں اس میں بات ڈالنے کی ضرورت نہیں
 چلو بار طلیح شوشہ سب بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُن کے کانوں میں گویا اور ہی طرح کی
 آوازیں گونجنے لگیں۔ اُنھیں جلدی جلدی درد ازہ کی طرف جلتے ہوئے دیکھ کر ہوا جو رہے بشو
 - ہر سیکے راستہ چھوڑ دیا۔ اور ایک کناسے ہو گیا ساتھ ہی سہاٹی بھی رہا راستہ تھوڑا کچھ
 جن کمرے سے سر رے گاؤں آ رہی تھی۔ دھڑکسی کمرے کی طرف تھے۔ وہیں جا کر
 انھوں نے کچھ عیش الہی دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ دھڑکسی کمرے میں ہیں مگر سیکے
 دیکھ کر اس کا دل کالی زمین پر پڑے ہوئے۔ ایک کمرے میں۔ اور ایک کمرے میں۔ اور ایک کمرے میں۔
 گیسوئے تہیہ دانی۔ یہ وہ خانہ کا خانہ تھا کہ کمرے ہو گئے اور کچھ جھٹ میر خود میں پکار کر بولے۔
 کچھ ایسے آواز تھیں ہی سہی ان کی طرف آئیں انھیں اٹھا کر وہیں لے گئے۔

وضو کیا اور پانی پیا اور چائے پی۔

دشمن سے تیار کیا نہ ازستہ کو چھوڑ کیا مولا:

ہاں سہاٹی نہیں رہو بھلائی کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ ہم اپنی ہنسی میں۔ وہ دنگوڑا
 دنگوڑا کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ اور کنگا کو درد سے علیحدہ کرنے لگے۔ اس وقت
 وہ دنگوڑا کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ کون ہے بڑو دنگوڑا کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ وہ دنگوڑا
 کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ وہ دنگوڑا کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔ وہ دنگوڑا کی جی کچھ لاتی نہیں ہے۔
 نے انھیں پکارا دیکھا۔ وہ سب اور بھی گڑ گڑا کر بولیں۔ کون چاہتا تھا کہ ان کی میری
 سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری
 سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری
 سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری سستی کو نہ رہے۔ یہ آج کیا میری

”دشوگر کے اندر آؤ بیٹا“

دشوگر نے نزدیک جا کر چپ چاپ انھیں پرہام کیا۔ اُن کے سامنے قہر پر گویا ایک کاس اس بند ہو جاتا تھا۔ اُن سے وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرا گیا۔ قہر ہی چلو گئے۔

دوسروں کے الصباح : : : : : کی طرف چلے گئے۔ کیونکہ صبح سیر کرنے کے وقت سے پہلے ہی انہیں نرمید کو کھڑا نہ تھا۔

یہ کچھ ہی دیر میں انہیں زمیندار باہوؤں کا بے رونق گریبا لیا۔ ان چھوٹے کامکان رکھائی پڑا دشوگر انھیں نیچے کتے بڑے پھاٹک کے کی طرح دیکھا۔ باہر بارش میں زینہ ایک کتے پر بیٹھا ہوا۔ حق کی فرحت، شربو اسکے چھوٹوں کا لطف اٹھا رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھمکیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہے۔ دشوگر جس کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے۔ اُس نے متحیر ہو کر پوچھا : آپ کون ہیں ؟

”مجھے گریسیٹ شورمیر کہتے ہیں۔ میرا مکان یہاں ریاس ہی جوت پو میں ہے۔“
”مجھے ایسا معلوم بہت ہے۔ گریاس نے یہ کہہ کر کھنکھایا۔ اچھا بیٹھے۔“
”کیا ہوگا اس میں تعجب؟ کیا ہے آپ نے ہوا خوری کہ لیا دیکھ کر کہتا ہے۔“ میں نے
”آدمی ٹھہرا آپ کے کچھ کہیں دیکھ لیا ہوگا۔“

”نرمید نے ذرا چھل ہو کر پوچھا : آپ کو کس غرض سے ہوا ؟“

”غرض ہے لیکن میں اسے تحلیل میں کہتا ہوں۔“

”اسے تحلیل ہی سمجھئے۔ یہ کہتا ہے کہنے؟“

”بہتر کسی تمہید کے دشوگر نے پائنت سے دوشوں کا پیکٹ نکال کر نرمید کے ہاتھ میں دیکر کہا :“

”آپ ہی کے فوٹ ہیں۔ مگر نہ دیکھ لیجئے۔ ہزار روپیہ کے ہیں۔“

نرمید تیرت زدہ رہ گیا۔ اپنی تیرتاگ نگ میں اس کو بولا : اگر آپ ہر زمانہ میرے ایک ہاتھ پیر

پیر

”آپ کو تو ڈٹ کہاں سے ہے ؟“

”خیر حق پنے دے تھے۔ وہی دے گئے ہیں۔ وہ میری.....“

”انھوں نے ہی آپ کو دے دیا۔ سنا ہے کہ وہ مر گئی ہیں۔“
 ”مرنے کی بات ٹھیک نہیں ہے۔ انھوں نے خودکشی کی ہے۔“
 ”ہاں۔ ہاں اسی طرح کی افواہ سنی ہے۔۔۔۔۔ اچھا تو آپ انکی خودکشی کا سبب طعنے ہیں؟“
 ”ہاں ضرور، جانتے ہیں آپ کے ہات میں یہ جو نوٹ ہیں۔۔۔۔۔ ان کی موت کے سبب ہیں یہ نوٹ انکو
 مجبوراً لینے پڑے تھے۔ اسی سے ثابت کیا انھوں نے اپنے آپ کو بچا لیا۔“

تب تو شاہ نے آپ اس معاملہ میں بہت کچھ جانتے ہیں آپ سے اب چھپانا فضول ہے۔ مگر آپ
 میرے اوپر جھوٹا کلنگ لگا رہے ہیں۔ وہ نوٹ نہ تھے۔ تو میرا کیا اور تھام میں نے تھوڑا ظلم نہیں کیا۔
 ۔۔۔۔۔ چپ چپا۔ چپ راجہ۔ تم باپي ہو۔ باتیں کرتے ہوئے تمہاری زبان نہیں کا پنی۔ تباؤ تو تمہیں
 بار بار پھیلانے کوں جاتا تھا۔ تم بھلے آدمی کے لڑکے ہو۔ نفرت۔ بد چلن۔ عورتوں کو لیکر دن گزار
 ہو۔ اسی لئے کیا ان ماہن اور بیوی کی طرف نہیں دیکھتے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ بھگے گھر کی عورت ایسا برا
 کام کرنے کو آپ نہتی پر سکتی ہے۔ جو نہتی ہوتی ہیں۔ وہ بڑے ہی دکھ سے ہوتی ہیں اپنی ماں بہن
 بھائی کی حفاظت کرنے کے لئے اس دیوی نے تمہارے جیسے باپ کا رعبہ لیا لیکن وہ سڑک کی
 دھڑی تھی۔ اسی وجہ سے سڑک کی راہ لی۔ یہ لو اپنے درمیان سے دکھی کا دکھ دور کیا جاتا ہے غریبوں
 کی مدد کی جاتی ہے منسلکوں کو آرام دیا جاتا ہے۔ اسی دھن نے تمہارے ہات میں لپکا کر لیا اور
 بے کس دے میں محسوس کرنا کی زبان لیا۔ تمہارے ہات میں اور تمہاری دولت کو لیکر یہ بھرتی ہو کر کہ تم
 نے نفسانیت آرام میں چھپا کر لیا۔ یہ بھرتی کہ خبر بخشی کا پاپ اپنے سر لیا ہے۔ اس لئے اس زندگی
 میں تمہیں کبھی شادی نہیں ملے گی۔ تمہارے غیبت اور میں تمہارے نیچے نیچے گھومنا کریں گی۔ بعد
 تمہیں ترک میں چھینے۔ تمہارے ایک پک اور جاں باز دیوی سے خودکشی کرانی ہے
 ۔۔۔۔۔ تمہارے نیچے نیچے خودکشی کا ہیوت گڑم۔ ہا ہے۔

نوریدر جیت تھوڑا بکوش کا تو یہ لپکا۔ اس کے تر جیت تھوڑا بکوش اور عرصہ
 کا پاپ کا تھا۔ منکسر اور بھرتی میں بوا لپکا۔ آپ نے کیا دیکھا۔ بھرتی کا کبھی نہ لپکا۔ اس نے اپنے
 ہرگز نہیں سوچا تھا کہ یہ معاملہ اس لئے نہ کہ عورت کے لئے نہ کہ بھرتی کے لئے نہ کہ بھرتی کے لئے نہ کہ
 کا پاپ ہی پتہ ہوتا۔ تو کیوں اس کو پتہ میں قدم رکھا۔

شریف خاندان کی اولاد ہو کر اگر شریفوں کی بہو بیٹیوں کا رواج نہیں سمجھتے تو توہم اصل حیوان
بشکال ہوتا ہے۔ ہاں بہنوں کو بھیانک کی حفاظت کے لئے جو اپنی جان اس طرح سے دیکھتی ہے وہ
غور کرو کہ اس کے لئے کیا قربانیاں دے گا؟ زندہ اس زندگی میں کیا اتھار اکھوٹا دے گا؟ ہر ایک کا فائدہ نیت
کے پر جو جن سیلاب میں بہہ رہا تھا۔ ایک بار دیکھو کہ کیا نیت کے لئے قربانیاں دے پائی ہو؟

زندہ چھپ چھپ ہوتا۔ اور کچھ روز بعد ہی اس کے ہاتھوں سے لٹکے جا کر اس کی موت کی خبر سن کر دل
ہی دل میں گونج رہا تھا۔ اس پر تب ہی اس نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے کیا کیا ہے کہ میری فکر تھیں
ہی رہا ہے۔ اب میری کیا فکر رہے۔ اس نے ذرا سوچا تو سمجھا۔

زندہ نے گاڑے پتے کی طرح رات کے کھم کی تھیل کی ہری کو سوتی کی موت کی خبر لیا ایک
آدمی سے پوچھا کہ تم کو وہ آدمی کون ہے جس نے تم کو اس طرح سے مار دیا؟

وہ نے اس کی طرف اٹھ کر زندہ سے کہا۔ یہی وہ آدمی ہے جس نے تم کو اس طرح سے مار دیا۔
زندہ نے اس کو جھڑپیں پہنچوڑ دینا چاہا۔ اس کی ماں بہن اس کے لئے ہی بھڑک رہی تھیں۔ اگر تم
وہ آدمی مارو گے تو تم کو کچھ نہیں خاں و خون میں ملا دیں گے۔ اسے تم آج ہی اپنے گھر
سے نکال دو۔

مگر آپ ہی اسے لے کر جائیے۔ یہ بہن انکس مرٹلی تو جوتیہ ہوں۔ سہی تاکست ہے یہ ہمارا تیلیہ ہوں
کیا۔ ورنہ تھانے میں رہنے کو میں شخص نہیں تھا۔

یہ میں فاقہ نہیں تھا۔ یہی جو کہ اس نے سہا کو میں برابر اپنی بہن کی طرح مانا ہوں۔ مگر ہر
شخص سے آجکل یہی ہوتا ہے کہ تھانے سلوک کے تھاری سا دھوی سستی ہی درنا ستری کلا
بہت کبیرہ ڈانٹا میں ہی ہے۔ وہ بھی کسی دن خود کشی کر کے تھانے پاپ کی کشتی کے نیچے کود دنا
کو دیگی۔ اب تھاری کشتی کے ڈوبنے میں بہت دیر نہیں ہے۔

زندہ نے اس کے چھپ چھپ سے پوچھا۔ وہ شیشہ بھری اکھڑوں کے لیے کہ اب تمہیں میرے ساتھ
بہن گھر جانا پڑے گا۔

ہری نے فاقہ نہ لگے ہوئے سے زندہ کی طرف دیکھا۔ وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ زندہ سے کہنے لگا
بہن۔

تم لوگوں نے جو ہنگ کیا۔ اچھا ہی کیا۔ اب میں نالک منڈلی توڑ دوں گا۔ تم میرے یہاں سے پہلے جاؤ۔
 ہری کا چہرہ اس غیر متوقع بیخبری سے شرخ ہو گیا۔ وہ فوراً ہی باہر نکلا گیا۔ وشو نے کہا۔ ٹرمینڈر
 بالو اب شہا جاتا ہوں۔ اور زیادہ کیا کہوں۔ جس سچی کا تم نے ناش کیا ہے۔ یہ کہانی بہت پیاری اور
 خیر خواہ سکتی تھی۔ اس لئے اگر تم سستی سے صافی لینا چاہتے ہو۔ تو اس کی سکتی کھا آؤ سکتی کرو۔
 اس کے بعد وشو نے باہر کر کے ہرن سے پوچھا۔ کہاں جاتے ہو ہری؟

”اب اور کہاں جاؤں گا۔ اب بڑے آدمیوں کے سایہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ اُن کی منڈلی
 کے لئے میں نے سب کچھ کیا۔ مگر آج انھوں نے مجھے بیخبری سے نکال دیا۔ اب میں گھر میں جاؤں گا۔
 اور ماں سے ملاقات کر کے جہاں چاہوں گا۔“

”نہیں.....“ محبتیں اس طرح مارا مارا پھرنے لگے۔ ماں کو سکتی کرو۔ تم اُس گاؤں میں
 آدمی بن کر رہ سکتے ہو۔ اب میری سستی چھوڑ دو۔ پھلے آدمیوں کے ساتھ نہ رہو۔
“

پندرہویں ترنگ (۱۵)

راتہ راتہ رام شنکر کے پرانے مکان کی مرمت ہو گئی۔ جب یہ مکان بنا تھا۔ اس وقت
 سے ان کا صرف ایک ہی مرتبہ چونا لگا یا گیا۔ اس لئے مرمت میں بہت کچھ مصاح لگ گیا۔ مگر
 نئے وشو کو مرمت کرنے سے منع کیا گیا۔ گزشتہ پورے سال کے باوجود یہ منظر نہیں دیکھا گیا۔
 رہو۔ یہ معلوم ہے کہ اب گزشتہ جہنم نے مجبوراً مرمت کرانی منظور کر لی۔
 جیسا چاہا۔ جس کے بعد والد کی قسمت چمکے ہوئے دیکھ کر جتی کے بعض بزرگ
 ہری سے مدد کر گیا۔ اور محلہ کے شوکانہ کے لئے کر دیا گیا تھا۔ لوگ جو چاہیں اسے آتھلے کتے کتے کوئی
 کہتا ہے۔ وشو نے یہ سب سنا۔ اور انہیں گے۔ اسی سے اُس کا رجحان
 اس طرف مستدر ہے۔ لیکن جب لوگوں نے سنا کہ وشو سادتری کے لئے کسی قابلِ واد کی
 ترنگ کر رہا ہے۔ اس پر سادھو بھائیوں نے اس پر شادی ہو جائیگی۔ تب سب کی اُمداد پر

پرانی چھاپا سب پل موس کر رہ گئے

اُن پورناتے وٹو سے کہا۔ بیابا ویر نہ کرو۔ دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی پندرہ سال کی ہو گئی۔
 مگر پوری کچھ کہتی نہیں ہے۔ گردل ہی دل میں بہت ڈک پڑی ہے۔ دیکھ کر کہیں خوش کرو۔
 "موسیٰ! میں کیوں کہنے کو شش نہیں کرتا ہوں۔ چنانچہ اگر مجھے تیرا بیٹا ہے۔ بہت تیار ہو
 تجھے سیکھے۔ یہ تو ایک جگہ سے فطرتاً ہے۔ لڑکا خراب کھانا کھاتا ہے۔ گھر بھی اچھا ہے۔ حالت
 بھی اچھی ہے۔ لڑکے کا باپ بھی ہے۔ کیوں دسی؟ تھاری رات گیا ہے؟
 شغف سے تو اپنے نام منوم رہتا ہے۔ لیکن خوب جانچ پڑتال کر لو تاکہ میں نہ کچھ مانا پڑے
 "پچھتاوا نہیں پڑے گا اس سے تم بے فکر رہو۔"

"ہاں تو تاکہ جیت کر کھانا دینا ہو گا؟"

وٹو نے ہنس کر کہا۔ ایسا لڑکا کہ تم میں سے چاہتی ہو۔ روپیہ تو دنیا ہی بڑھاتا۔ گروس کیلئے
 شادی کے دن سن لینا۔ ہاں اس وقت تیرا صرف اپنا نہ پڑا۔ اس قدر تیرے
 خوالہ کرو دینا

موسیٰ نے غصہ بڑھ کر کہا۔ بابا بہت اذیت ہو رہا ہے۔ لڑکی ہی کر رہا ہے۔ لیکن دیکھ کر کہیں نہ
 اس کا بدلہ نہ ہو۔

رام دھن کی ماں اُن پورناتے کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر بولیر بکریوں ماں جھانڈ اور
 تھمرے وٹو کی شادی کب ہو گی؟ بکرا اور شارہ بکرے کیلئے ہی نہیں؟

موسیٰ نے پہلے وٹو کی طرف دیکھا اور پھر گردن جھکا کر کہا۔ میرا بھائی ہے۔ یہ وٹو مانے پاتے
 رام دھن کی ماں بلال۔ بابا بہت اذیت ہو رہا ہے۔ لڑکی ہی کر رہا ہے۔ لیکن دیکھ کر کہیں نہ
 اس کا بدلہ نہ ہو۔

ایسے موقع پر وٹو اور رام دھن کی ماں کی ہنسی بولنے لگی۔ مگر وہ موسیٰ کی نظر بھانپ
 کر کہنے لگے۔ ایک مرتبہ موسیٰ کی بات میں نہ جھپٹائی اس سے۔ جو کہل کو ٹھری چوڑی پہنی ہے
 اور جیسے بھانپتی ہو۔ اوتار نہ ہو سکے۔ وہ کہہ رہا ہے۔ یہ لڑکی تو اتنی بڑی ہے کہ بھائی کا اجنام بھی کھیں
 قدر نہ ہو گا۔ اور جیت کر کھانا دینا ہو گا۔ یہ بات موسیٰ نے دیکھ کر دینا جھپٹائی۔ اسے چلتی رہے

اُس کے ساتھ اسی قاعدہ سے چلنا چاہئے بل برابر بھی اور دھڑلے سے اس کپڑے میں لپٹا کر چلا
لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ جو پانہ ہات سے پھینکنا چاہیے وہ لوٹ کر ہات میں نہیں آ سکتا۔ اب
اس پانے کی چال سے چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا ہو گا۔ جو چال چلی جا چکی وہ واپس نہیں لی جاسکتی۔ اب
افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس وقت وشو کو سستی کی بددعا یاد آ گئی۔ اُس خطا کا ایک
ایک لفظ اُن کے دل پر نقش ہے۔ ”تم ایک عورت کو، بچی بوی، بناؤ گے اور سبھی ہو کر بھجھو گے۔ کو دنیا
میں محبت ہی میں شک ہے۔ یہی اُس کی بددعا ہے۔ مگر نہیں میں ایسا بھی نہیں کروں گا۔ شش پا
کو کبھی سچل نہیں ہوئے دوں گا۔ دنیا میں خواہ جعفر بے اطمینانی ہو یا خواہ کتا ہی دھکے ہو کتنی بچی
میتیں اٹھانی پڑیں مگر میں اپنا عہد بھی نہیں توڑ دینگا۔ جس میں سستی سو رنگ میں بھی میری کمزوری
پر نقش کی جی ہنسی بنتی ہے۔ اُس کی بددعا ہے، شرابا بت کر نیکی کو شش کروں گا۔

چند ہی دنوں بعد دیکھ کے اور اُسے، اللہ۔ سب بات چیت ٹھنڈی ہو گئی۔ اُن پورے گم کہا۔ اپنے
گرنے کا کام نہیں ہے۔ میں ہی اساتھ میں سدی نامی نوجوانی کو اچھی سمجھا رہا ہوں۔ اب ایک کرو
وشو نے کہا۔ ”تم دو جہے کل سات ہی دن، و باقی ہیں۔ ہاتے غلبیل ترعر میں سب
تخفہ نہ پناہیگا۔“

”وہاں ابھی سات بددعا لگائیں جو جو کر دوں تو نہ کر۔ کھتا ہاں سنی ستہ رچھو دیکھ سب

کلام جو طالع ہے۔ یا نہیں۔“

وشو کمر گس کر تیار ہو گئے بیٹھا چاہیے جو کے مکان کی اساتھ لگا۔ ”تیار کروا گیا۔“
کا آنگن تماقت چو گیا۔ اور وہ اساتھ لگا۔ ”نہ ائے گئے آنگن میں ہاتس کا ڈاکر برسات کی حفاظت
کے لئے شامیانہ کھینچ گیا۔ اُن پورے اساتھات اُن پورے دوی کی طرح جھنڈا رخا نہ سمانے لگی۔ گنگا کا
کی چلی کی طرح دیکھ کر قہر۔ وراٹ پورے نا جو حکم دیتی تھی صرف اُس کی تعمیل کرتی تھیں۔ بہت روز
کہ اساتھ نے اپنے تسمی چھوڑے۔ کی نہ اساتھ کی حق۔ اور اُس پہاڑیہ نے کہہ کر اساتھ کو
ٹھیک وقت پر کھلا پنا کر اُن پورے اساتھ بڑی رات تک اپنی شادی کی تیاری کے لئے کام
کرتی تھی۔ جس کے اساتھ پنا کر اُن پورے اساتھ بڑی رات تک اپنی شادی کی تیاری کے لئے کام
پر کھ کھتی تھی۔ گنگا کا ڈاکر برسات کی حفاظت کے لئے شامیانہ کھینچ گیا۔ اُن پورے اساتھات
اُن پورے دوی کی طرح جھنڈا رخا نہ سمانے لگی۔ گنگا کا ڈاکر برسات کی حفاظت کے لئے شامیانہ کھینچ گیا۔

نہ معلوم کیوں میرے جی میں آیا کہ میں تم سے پوچھ لوں۔ مجھے یقین ہے کہ شادی سے تہیہ بہت
کچھ ہو گا۔ پوچھ لو گا کہ نہیں؟

یہ آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں۔ آپ جب کہتے ہیں۔ تو یقیناً ہو گا۔

میرا کہنا کہ کتنا چیز ڈور۔ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟

ہاں اپنے جب سب کچھ کیا ہے تو یہ یقینی بات ہے۔ کہ میری پہلائی کے لئے کیا ہے؟

جی جی یہ بات ہے سادتری! تمہاری پہلائی کیسے ہو گی۔ میں یہی سوچتا رہا ہوں۔۔۔

یہی۔۔۔۔۔

سادتری نے بات کاٹ کر کہا۔ میں جانتی ہوں۔ آپ انسان نہیں ہیں دیوتا ہیں یہ کہتے کہتے

سادتری نے ٹھٹھک کر دوش کو پر نام کیا۔ و شو نے شرمندہ ہو کر کہا۔ یہ کیا کرتی ہو! سادتری

یہ کہتے ہو! اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تھوڑا انداز سے بولے مجھے تم نہیں پہچانتی ہو۔ اس لئے

تم ایسا سمجھتی ہو گے۔ جیسا خیال کرتی ہو میں اس کے اندر بہت شرمندہ ہوں۔ ایک کھڑوڑا

ہوں۔ یہ کہتے کہتے و شو کہ یہ بیٹریں۔ یہ صیقلی ہنسی جھلکائی اس کے کچھ دیر بعد انہوں نے

سر جھکائے کھڑی ہوئی۔ سادتری سے کہا۔ سادتری! تم مجھ سے کچھ کہو گی۔ اگر کچھ کہنا ہو تو کہو۔

سادتری نے ان کی طرف ایک نظر دیکھ کر پھر شرمندہ ہو کر کہیں اس کے بعد محبت آمیز

لہجہ پر کہا۔ میرا آپ کے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ شادی کے بعد کیا رہے گا۔ مجھے بے گھر ہونے کا

”ماں! اے قوضور! بانیگے۔ اور یہ بات تم کیوں پوچھتی ہو۔ تمہارے تیرے شوہر کے گھر پر آؤ گے۔

اس لئے پوچھتی ہوں۔ کہ میرے چلے جانے پر ماں سے پاس کون رہے گا؟ جی جی نہیں ہیں۔ میں

بھی نہیں رہوں گی۔ تو۔ اور کالی کو کون دیکھے گا؟ کیا آپ شادی کے بعد کم از کم تھوڑے دن

بھی یہاں درہنہ دینگے؟

و شو کو ہنسی آگئی۔ معلوم ہوا کہ یہ سنسی انھیں کچھ تو سادتری کی بے شری پر آئی۔ اور

کچھ افسوس سے بھی ادھ ہنس کر کہنے۔ سادتری! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ کہنا۔۔۔۔۔

سادتری ذرا صبر سے پوچھی۔ اس نے ایک ہلکا سا۔۔۔۔۔

دشوہ مجھے کدغش کھاٹی عورت سوائے لنگہ کے اور کئی نہیں ہے۔ ہری پاس ہی کھڑا گھبراٹی
 ہوا لنگہ میں سے اُغیس دیکھ رہا تھا۔ پلک ہارتے ہی انہوں نے ایک ساتھ تیرہ سالہ تری کی طرف
 دیکھ لیا۔ وہ ویسے ہی گھونٹ نکلے ہوئے چُپ چاپ کدغی تھی۔ اس کے بعد دشوہ
 مضبوط ہونے میں کہا۔ سنئے امیری یہ آخری بات ہے۔ لڑکی کی بہن دینیو کو کدغی کی طرح تھی۔ وہ
 سوگ گئی۔ اس کے متعلق کچھ بڑا بھلا کہنا پاپے آپ کو اب میں کسی طرح روپیہ نہیں دیکھتا۔ آپکا
 جو مزاج چاہیے کیجئے؟

سب لوگ چاروں طرف سے ایک ساتھ کہہ اٹھے؟ ہیں یہ کیا کہتے ہو؟ یہ کیا کرتے ہو؟
 ہری بجا بت آمیز لہجہ میں بولے دشوہ جیٹا! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ دشوہ نے پرستقلال لہجہ
 یہ کیا کہنا۔ ہری اتر چُپ رہا۔ آپ لوگ یقینی سمجھئے۔ کہ اب میں روپے نہیں دے سکتا۔ ہاں ارٹ کے
 سے ایک بات اور کہتا ہوں آج جو رتن میں انہیں دینا چاہتا ہوں۔ اُن میں اگر سمجھ ہو تو اس کی
 قیمت کا اندازہ کریں۔ اور سمجھ کر اپنی خوش قسمتی پر غور کریں۔ دیکھیں تو یہی ایہ رتن کس قیمت
 پر خرید جا سکتا ہے۔

یہ کہہ کر دشوہ سارے رستے کے قریب آئے۔ اور اس کا گھونٹ بٹا کر اردو نشہ کی طرف اُٹھا
 منہ پھر کر بولے۔ دیکھو! اس رتن کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں ہے۔

نوشہ بولا۔ جب پتاجی موجود ہیں۔ تو مجھ سے کچھ کہنا سنتا ہے سو وہ ہے؟

نوشہ کے باپ نے کہا۔ اُٹھ آؤ بیٹا۔ اُٹھ آؤ۔ انہیں شادی نہیں کرنی ہے مکاری دکھائی
 چلو ہم لوگ جاتے ہیں؟

جو لوگ حقیقت میں خیر خواہ تھے۔ کہنے لگے۔ دشوہ! کیا کرتے ہو۔ اب جی سمجھو قوجہ کلام

میں نے خوب سمجھ لیا ہے، یہ منکر جو پوشیا شخص تھے۔ وہ پیشتر نوشہ کے باپ

آئیکہ بھلا اشارہ کر کے کہہ رہے تھے۔ اب میں نہ سمجھتا۔ یہ دانتوں تو آپ پر چڑھ کر گیا۔ سوقت

چولہا۔ وہی کافی سمجھئے۔ یہ منکر بھلا اشارہ کر کے کہہ رہے تھے۔ اب میں نہ سمجھتا۔ یہ دانتوں تو آپ پر چڑھ کر گیا۔ سوقت

اچھا آؤ۔ یہ لوگ نہ سمجھ کر کہہ رہے تھے۔ اب میں نہ سمجھتا۔ یہ دانتوں تو آپ پر چڑھ کر گیا۔ سوقت

آپ کی کچھ دلی برداشت کیجئے۔ زور پہلے چڑھ کر چوکے۔ ہاں پر دہنی ہو جیسی۔

جب تیری ہر باتیں تو میری نے لیاں دان دیا۔ و ستونے در میں بات میں لڑکی کا ہات لے کر چپکے سے
 ہریں کو شاہ کیا۔ وہ بڑی دیر سے دیکھ رہے تھے کہ ساد تری کو غش آ رہا ہے۔ ذرا پلٹی پلٹی بھی
 نہیں۔ میری نے ساد تری کی حالت دیکھی۔ اور تب گدیر کر پوچھا۔ لب کیا کیا جانے؟ کیا تیرے بھروسوں
 پر دہشت جی نے پوچھا؟ کیا ہوا کس کی تدبیر؟
 ادا کی کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے؟

یہ تو زمانہ ہی چاہتا ہے۔ طبیعت خراب نہ ہوتی۔ تو تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیا کوئی معمولی واقعہ ہے
 ایسے تاریک وقت میں جسے بڑھتا ہوا استقلال لہگوں کا حوصلہ بہت بڑھا ہے۔ یہی ہزارہ اور
 تو کچھ نہیں ہے۔ و خراب دیر نہ کرو جلد منتظر بڑھ ڈالو!

شاہی ہو گئی۔ ہر سنے ڈرتے ڈرتے پکارا ناہر سے کوئی شخص یہاں آئے اور فوراً ہی گنگ
 آئیں اور ساد تری کا مہر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئیں۔ اُن پورنا چپ چاپ پنکھے سے ہوا کرے گئیں
 اور منہ پر پانی کے چھینے ڈھنکے۔ کچھ دیر بعد ساد تری کو ہوش آ گیا تھا میں نے تو آج سندر کو
 لے کر ڈھرا ہوا۔ تن پائیے۔ دروازے ماقول سے ماں سے سینہ ہوا پوچھ ساد تری رو کر بولی۔ ماں! میرا
 گنگ! کیا ہو گئی۔ اس سے بنا دودھ

سترہویں گنگ

بھلے سال کی طرح ہر سال بھی رشتہ کے مکان کے پاس والے باغیچہ میں آم کے درختوں میں خوش
 ہو گئے تھے۔ سترہویں گنگ اور بورڈ سے وہ بہت غریب و تنگ نظر تھے۔ شہر کی کیڑوں
 کو فرصت نہ تھی۔ ہر فلک ناریل کے درخت نئی بیوی کی طرح مسرخ آویڑے پہنے ایک گنگ
 میں کھڑے تھے۔ جسم اودھ کھلی کھینوں سے چھڑک رہے تھے۔ نقیب جھولا جھولا قتی تھے سچے گرائی
 تھے۔ اور کمر بھونکے لے کر اتر رہے تھے۔ گنگی پور قتی تھی شہر پہلی نوکھلائی کی طرح۔ بیلا۔
 جوی۔ اور اتنی اپنی اپنی دلہنری اور خوشبو سے تیار تھیں۔ وہ اپنی خوشبو کو چھپاتی تھیں۔
 کہہ۔ ان لوگوں کو کچھ پائے۔ اسی کو شمش میں سرگرم تھیں۔ یہ تمام نظارے کچھ بے اثر تھے مگر صبح
 کے وقت بات میں کتاب لے کر آئے۔ اس درخت سے اُس درخت کے پتے چھوٹے ہوئے و شوکایا معلوم

لیکن یہ نہ تھے ان کا فرق موسیٰ کی نسبت ابھی طرح پہچان لیا تھا۔ وہ انگن سے ہوتی تو بے خوابگی میں پہنچتی تو کہہ سکتے تھے کہ اس کا باپ اہل گنجیج لیا۔ گھر اڑا اس نے چاروں طرف دیکھا کہ کوئی ایسے دیکھتا تو نہیں۔ یہ جب دم نہا کہ کوئی نہیں۔ تب تیل کی ہڈی ڈھیر کر کے پاؤں کے پاس رکھ کر بولی کہ تیل سے یہ دیکھتا ہیں مگر ایک بیٹے مزید بات سے۔ سنو!

سادہ مانی نے گھونٹنے کے اندر سے ہی التجا آمیز نگاہوں سے شوم کی طرف دیکھ کر کہا: "ہاں! ابھی کام ہے۔"

[illegible]

دشودریا نے کہا کہ آئے۔ اور کہا کہ گھمانے بیٹھ گئے۔ گھانا گھاتے ہوئے موسیٰ بہت سی ادھر
ادھر کی باتیں پوچھنے لگی۔ بہت سے بزرگ اور جوان اس کے گھمنے لگے تھے۔ وہ کیسی ہے؟ تمہاری ساس
تم کو کون کون کرنا رہا ہے۔ بہت کو میں دو چار دن کے لئے اس کی ماں کے پاس بھیج دوں گی۔ یہاں
بیماری کی لہریں سنسنی پہیلی نہیں ہے۔ یہاں ہر دم گھوٹ بھگے منہ چھپائے رہنا پڑتا ہے
لیکن وہاں زیادہ دن کیسے بہتے دوں گی۔ میرا کامیکے چلنے۔ بس تین ہی چار دن میں بلا لوں گی۔
برو کہتا تھا کہ تمہاری دوکان میں بڑا منافع ہو رہا ہے؟ دشودریا نے ان کی بات سنی۔ اور بہت
خوب عترہ الفاظ میں دیتے باز رہے تھے۔ اور رہ رہ کر تیرت زوہ نظروں سے کبھی بھی رسوا فی خانہ
کی طرف اور کبھی اس کے اڑنے کی طرف کبھی زینہ کی طرف دیکھ لیتے تھے۔

کہ: "اگرچہ یہ بھانپنے والے تھے، مگر وہ کھانے کی پانی کے اوپر پانی کا کلاس۔ پان کا ڈبہ اور تلیہ رکھ کر سادری چلی گئی۔ وہ غصہ سے بغیر پان کھائے، بیٹے ہی سو رہے۔ تھوڑی دیر بعد، بیٹا یاد آیا کہ ایک دین میں نے اسی طرح شہر کا بیان نہیں کیا تھا۔ تو سادری کس طرف؟ اور پان کجا؟ بیٹے میری طرف دیکھتی، چونچ رہی تھی۔ اس لئے انہیں پان کے ڈبے سے دیر بڑے نکال کر کھائے۔ اور سادری کو اشارے سے بتا دیا کہ آئندہ اسے ایسا ہی کرنا۔ تو میں معلوم نہیں کر دوں گا۔

متنبراً اور شہسواروں کے بعد و شواہد اور اپنے کام پر جانے لگے چلتے پلتے انہوں نے دیکھا

کہ کسی سادتری سے جہاں ہمارے پڑھا کر سہی ہیں۔ شام سے کچھ دیر پہلے وشو گھر لوٹ آئے دیتا کرنے پر معلوم ہوا کہ ان پورنا گھنگا کے گھر گئی ہے۔ انہوں نے تب سوچا کہ اس موقع کو صاف کر دینا حافقت ہے۔ چپے چپا پٹھان گواہ آئے۔ جہاں تک کر دیکھا کہ سادتری ایک نوکری میں بہت سے چپل لکے تھے ہار گوندھ رہی ہے۔ وشو نے پریم بھری نظروں سے پہلے دیوی کی مورتی کی طرف اور پھر سادتری کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا کہ پتھر کی دیوی کے چہرہ پر ایک عجیب غریب جذبہ جھلک رہا تھا۔ شگھاسن پڑھی ہوئی انسانی دیوی کے چہرے پر بھی ایسی عکاس لطیف نمایاں ہے۔ وشو نے آہستہ قریب جا کر دیکھا۔ یہ نوکری کس کے لئے گوندھا جا رہی ہے؟

چونکہ سادتری نے ان کی طرف دیکھا۔ اور گھونٹ کر کہا کہ تمہاری محبت میں مجھے جی ابدیاد دیتا کیسے؟ کس دیوتا کے لئے؟

سادتری نے اٹھ کر وشوہر کی طرف نیکی سے گئی۔ وشو نہایت ہی حیرت منکشاں ہو کر بولے کہ تمہاری سادتری کے لئے۔ اپنا دیوتا بدلتی ہو میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں دیوتا کا درجہ دینے اور واپس لینے میں دیر نہیں لگتی۔ سادتری نے اس مرتبہ آہستہ سے منہ کر کر اپنا سر نیچا کر لیا۔ وشو کی خواہش ہوئی کہ اس کا منہ اوپر اٹھا کر اس جذبہ آمیز چھپی ہوئی ہنسی کو دیکھ لوں۔ وہ اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اور اس کے ہاتھ سے آوا گوندھا ہوا ہار چھین کر بولے میں یوں سانی سے اپنا اعزاز نہیں چھوڑ دوں گا۔ ہاں میرا ہے سادتری۔ تیرا باتہ لیجے میں بولی رہ کر کیا؟ اس سے اپرا دھڑکھٹک کر مر رہی تھی۔ جس نے تو اسے دیوتا پر ہر تھلنے کے لئے.....؟

”تو پہلے ہی کیوں نہیں کہا؟ کہ کس دیوتا کے لئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم میں ان دونوں کی

سوی پڑنا شروع ہوئی ہے۔“
سادتری نے دھڑکے سے کہا کہ جیسے وہ کہہ رہی ہے۔ کی تو کڑی جھٹ پٹ ایک طرف سہادی وہ دیوتا کے ساتھ تو میرے شوہر کا پرستار نہ سادوک دیکھ کر کہ گئی۔ اس لئے گلے میں آجمل ڈال کر اس نے مورتی کو پر نام کیا۔ اور وہ جب تک وشو نے اس ہار کو اتار دیا۔ میں اپنا اتار دینا کہ سادتری نے جیسے سہادی تھا۔ یہ دیکھ کر وشو نے بے سہار ایک اور دیوتا چپے چپا پٹ دیکھا۔ اس نے اس کے لئے کہ وہ دیوتا کو نہیں بلکہ تمہاری تہذیب کو کہہ رہی ہے۔ مگر ان کی ہر تہذیب کی

قبول کرنا چاہئے۔ گویا میں مجھ سے اس دن لوہا زنجیر میں نے لیا۔ یقیناً کہ جو پڑا ہے وہ یہ ہے۔
 یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔
 کہ تم کسی پر ہونے کو چاہو۔ یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔ یہ تو میرا دل ہے۔
 اس کے بعد انہوں نے سوچا۔ تو اس خط کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ پھر وہی۔ اور تری کے ساتھ لڑ گیا۔
 تو پھر غضب ہو گا۔ اس کے بعد اسے بہت دکھ ہوا۔ ایک تو بونہی وہ اپنی گئے تھے اور کرتی ہے۔
 خطا تو آگئی کہ کام کر کے کار۔ سادری سے یہ بات چیتا ہے۔ ہونے انہیں بڑا دکھ ہوا تھا۔
 اسرار کے چہ بے۔ نے خیریت نہیں تھی۔ لاجپاڑ انہوں نے وہ پاک صاف خط اسی وقت پر راج کی
 اس منور روشنی میں اُسی کی کوئی حوالہ کر دیا۔

اٹھارہویں منزل

ان پودا دیوی کی خواہش تھی کہ شروع سال میں چیتے چیتے میں رہیں۔ دیوتا کی تشویش
 ہو جانے کیلئے تھکتا۔ تو کچھ دنوں کے بعد اس وقت پر تشویش انتہائی ہو گئی۔
 شادی کے ٹیکہ دور میں بعد میں ان کی شادی ہوئی تھی۔
 دن بھر ہوا۔

اتنے میں سادری کے دبا۔ یہی ایک چوٹ لگی۔ لگتا دیوی پر وہ دنیا پر گیا کسی طرح سے
 آرام نہیں پاتی تھیں۔ اس لئے ایک دن ایک دن کی طرح نفس غصہ ہی سے ہر روز کرتی تھیں۔
 ہمیشہ کے لئے رات تل گئی۔ سادری پہلے تو بہت روتی تھی۔ چاکہ چاکہ ہی ہوا۔ ماں بی بی کے
 پاس چلی گئیں۔ وہاں دونوں ماں بی بی بہت شکرت سے ہیں گی۔ ہم دونوں کو ہر طرح سے تسلی دیکھ کر آرام
 اپنی برصیہ۔ لڑا کر۔ ہا۔ یہی گئی تھی۔ یہ سوچ کر سادری نے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔
 ہری شکر کا باہم ہو گیا تھا۔ وہ اپنی گریست۔ تبتا۔ اتھا۔ کالی کو بغیر نہیں تھے۔
 وہ زیادہ تروشہ کے۔ ہا۔ یہی رہا تھا۔ لڑا کر۔ ہا۔ یہی گئی تھی۔ یہ سوچ کر سادری نے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔
 کہ بیکر میں گھومنا مشورت کر دے۔

منہ من کر تیار ہو گیا تھا۔ انہوں نے انہوں کی عورت کی تشویش کو دیکھا۔ ایک ماں کی۔

